**INTERNATIONAL PREMIER JOURNAL OF LANGUAGES & LITERATURE (IPJLL)**
**VOLUME 4, ISSUE 3, 2026 p-ISSN: 3007-2336 e-ISSN: 3007-2344**

# فوائد الفؤاد میں سکوت کے عملی مظاہر اور تربیتی اثرات

# PRACTICAL MANIFESTATIONS AND EDUCATIONAL IMPLICATIONS OF SILENCE IN FAWAID AL-FUAD

| | |
|---|---|
| Dr. Hafiz Mansoor Ahmad<br>mansoor.ahmad@uos.edu.pk | Assistant Professor, Department of Persian Language and Literature, University of Sargodha (UOS), Sargodha, Pakistan. |
| Sana Hayat<br>sanahayat134@gmail.com | MPhil, Department of Persian Language and Literature, University of Sargodha (UOS), Sargodha, Pakistan. |
| Ishrat Batool<br>askarikhan5200@gmail.com | MPhil, Department of Persian Language and Literature, University of Sargodha (UOS), Sargodha, Pakistan. |

**Abstract**

The educational significance of silence becomes clearer when it is considered through practices of speaking, listening, pausing, and responding. This article examines the practical manifestations and formative implications of silence as presented in the study on Fawaid al-Fuad. It asks how restraint in expression is connected with the education of the self and with communication between a spiritual guide and an audience. Using a descriptive and interpretive method, the study analyzes Persian quotations, translations, and explanations in relation to the practical situations through which silence acquires formative and communicative significance. The discussion first considers deliberate pause, concise expression, outward and inward quiet, and practical conduct. It then examines self-correction, awakening of the heart, inward presence, and spiritual refinement. A third section addresses silence as a mode of communication, its place in questions and answers, the depth assigned to compressed expression, and its significance for an attentive listener. The final section brings together the intellectual, spiritual, and ethical consequences proposed by the discussion. The analysis presents silence as an intentional practice whose meaning depends on context and purpose, rather than assuming that every absence of speech has equal educational value. Its central conclusion is that listening and restraint can function within the article's interpretive framework as active components of formation. The contribution lies in relating practical communication to inward discipline and in making the article's dispersed educational themes visible as a coherent account. The discussion also differentiates the silence of a speaker from the attentiveness of a listener. Their relationship clarifies why pauses and concise answers can acquire meaning within an encounter. The article thus identifies an educational logic connecting expression, reception, and deliberate self-restraint.

**Keywords:** *Ethical Discipline, Fawaid al-Fuad, Inward Presence, Nizam al-Din Awliya, Pedagogy, Restraint, Silence, Sufi Communication.*

**Corresponding Author:** Dr. Hafiz Mansoor Ahmad (Assistant Professor, Department of Persian Language and Literature, University of Sargodha (UOS), Sargodha, Pakistan.)
**Email:** mansoor.ahmad@uos.edu.pk

## مبحث اول: سکوت کے عملی مظاہر کی بنیادیں

اس مبحث میں ہم سکوت کے ان عملی پہلوؤں کا جائزہ لیں گے جنہیں صوفیاء نے اپنی روز مرہ زندگی میں اپنایا اور اپنے مریدین کو بھی اپنانے کی تلقین کی۔ ان میں توقف (جلد بازی سے گریز)، اجمال (مختصر گوئی)، خاموشی کی مختلف کیفیات، اور سکوت کی عملی مشقیں شامل ہیں۔ یہ تمام عناصر مل کر سکوت کو ایک قابلِ عمل نظام بناتے ہیں۔

### ا۔ توقف

توقف یعنی کسی بات کے جواب یا عمل میں جلدی نہ کرنا بلکہ ٹھہر کر سوچنا۔ فوائد الفواد میں سکوت کا یہ پہلو سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ حضرت نظام الدینؒ نے اپنے مریدین کو ہمیشہ توقف کی تلقین کی، کیونکہ توقف کے بغیر سکوت ادھورا رہتا ہے۔ توقف انسان کو موقع دیتا ہے کہ وہ اپنے دل و دماغ میں غور کرے اور پھر مناسب جواب دے۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا:

**«توقف، حکمتی است کہ خداوند بہ بندگان خاص خودی آموزد. ھر کہ در سخن توقف کند، سختش بہ مقصود رسد و ھر کہ بی توقف گوید، پشیمان شود»**[1]

ترجمہ: "توقف ایک حکمت ہے جو خدا اپنے خاص بندوں کو سکھاتا ہے۔ جو شخص بات میں توقف کرتا ہے، اس کی بات مقصد تک پہنچتی ہے اور جو بے توقف بولتا ہے، پشیمان ہوتا ہے۔"

حضرت نظام الدینؒ کا یہ قول توقف کی اہمیت کو بڑے واضح الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ انہوں نے توقف کو ایک "حکمت" قرار دیا ہے جو خدا کی طرف سے "بندگان خاص" کو عطا ہوتی ہے۔ یہاں "حکمت" سے مراد وہ خاص علم اور سمجھ ہے جو صرف برگزیدہ بندوں کو ملتی ہے، جیسے قرآن میں فرمایا گیا: «یؤتی الحکمۃ من یشاء» (وہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے)۔ "بندگان خاص" سے مراد وہ صوفیاء اور عارفین ہیں جو اللہ کے قریب ہیں۔ یہ بتاتا ہے کہ توقف کوئی معمولی اخلاقی ہدایت نہیں بلکہ ایک الٰہی عطیہ ہے۔ پھر فرمایا: "ھر کہ در سخن توقف کند، سختش بہ مقصود رسد" یعنی جو شخص بات کرتے وقت توقف کرتا ہے، اس کی بات اپنے مقصد تک پہنچ جاتی ہے، وہ اپنی بات کا اثر دوسروں پر ڈال سکتا ہے، اور وہ اپنی بات سے پشیمان نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس "ھر کہ بی توقف گوید، پشیمان شود" یعنی جو بغیر توقف کے بولتا ہے، وہ آخر کار پشیمان ہوتا ہے، کیونکہ اس کی جلدی میں کہی گئی بات اکثر غلط ہوتی ہے یا اسے دوسروں تک پہنچانے میں ناکام رہتی ہے۔ فوائد الفواد میں حضرت نظام الدینؒ نے خود اس اصول پر عمل کیا ہے۔ وہ اکثر سوالات کے جواب میں توقف فرماتے تھے، اور یہ توقف خود ایک جواب ہوتا تھا جو سائل کے دل میں اتر جاتا تھا۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا عملی اور تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ بولنے سے پہلے چند لمحے رک کر سوچنے کی عادت ڈالے۔ یہ عادت اسے بہت سی غلطیوں اور پشیمانیوں سے بچائے گی، اور اس کی بات کو لوگوں پر اثر انداز ہونے کی طاقت دے گی۔

---

[1] امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، مقدمہ (نول کشور: مطبع نول کشور، ۱۳۰۲ھ)، مجلس ۱۸، ص ۱۱۲

شیخ ابو حامد غزالی نے احیاء العلوم میں تحریر کیا ہے:

**«التوقف عند الکلام نصف العبادة و ترکہ نصف المعصیة. من أراد السلامة فلیتوقف»**[2]

ترجمہ: "بات کرتے وقت توقف کرنا آدھی عبادت ہے اور اسے چھوڑنا آدھی معصیت ہے۔ جو سلامتی چاہتا ہے، وہ توقف کرے۔"

غزالی نے اس قول میں توقف کو "نصف العبادة" (آدھی عبادت) قرار دیا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی فضیلت ہے، کیونکہ عبادت کو آدھا کہنا اس کی انتہائی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ عبادت سے مراد وہ تمام اعمال ہیں جو انسان کو اللہ کے قریب کرتے ہیں، اور توقف کو اس کا آدھا حصہ قرار دے کر غزالی نے یہ واضح کیا ہے کہ توقف کے بغیر عبادت بھی ادھوری ہے۔ اس کے برعکس "ترکہ نصف المعصیة" یعنی توقف کو چھوڑنا آدھی معصیت ہے۔ معصیت سے مراد وہ تمام اعمال ہیں جو انسان کو اللہ سے دور کرتے ہیں۔ یہ ایک سخت انتباہ ہے کہ بغیر توقف کے بولنا بہت بڑا گناہ ہے۔ پھر فرمایا: "من أراد السلامة فلیتوقف" یعنی جو شخص سلامتی (دنیاوی اور اخروی دونوں طرح کی) چاہتا ہے، اسے توقف کرنا چاہیے۔ غزالی نے یہاں توقف کو سلامتی کی ضمانت قرار دیا ہے، کیونکہ توقف انسان کو جلد بازی کے نقصانات سے بچاتا ہے۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے یہی تعلیم دی ہے کہ توقف کے بغیر کوئی بھی عمل یا گفتگو سلامتی سے خالی ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا فکری اور دینی اثر یہ ہے کہ وہ توقف کو عبادت کی طرح اہمیت دے، اور اسے چھوڑنے کو گناہ سمجھے۔

شیخ ابو الحسن خرقانی نے نور العلوم میں فرمایا:

**«توقف، درِ حکمت است و هر که در این در وارد نشود، از حکمت بی بهره ماند. عجله، درِ جهل است و هر که در آن در رود، به جهل رسد»**[3]

ترجمہ: "توقف، حکمت کا دروازہ ہے اور جو اس دروازے میں داخل نہ ہوا، وہ حکمت سے محروم رہا۔ جلدی، جہالت کا دروازہ ہے اور جو اس دروازے میں داخل ہوا، وہ جہالت تک پہنچا۔"

شیخ خرقانی نے اس قول میں توقف اور عجلت (جلدی) کے متضاد نتائج بیان کیے ہیں۔ انہوں نے توقف کو "درِ حکمت" (حکمت کا دروازہ) قرار دیا ہے۔ جس طرح کسی دروازے سے بغیر گزرے اندر نہیں جا سکتا، اسی طرح بغیر توقف کے حکمت کے اندر نہیں جا سکتا۔ حکمت سے مراد گہری سمجھ، بصیرت، اور صحیح فیصلے کرنے کی صلاحیت ہے۔ پھر فرمایا: "هر که در این در وارد نشود، از حکمت بی بهره ماند" یعنی جو اس دروازے میں داخل نہ ہوا، وہ حکمت سے محروم رہ گیا۔ اس کے برعکس "عجله، درِ جهل است" یعنی جلدی جہالت کا دروازہ ہے۔ جلد بازی انسان کو بغیر سوچے سمجھے کام کرنے پر مجبور کرتی ہے، اور یہی جہالت کا سبب ہے۔ "هر که در آن در رود، به جهل رسد" یعنی جو اس دروازے میں داخل ہوا، وہ جہالت تک پہنچ گیا۔ یہ قول توقف کو حکمت کا واحد راستہ اور عجلت کو جہالت کا واحد راستہ قرار دیتا ہے۔ فوائد الفواد میں حضرت نظام الدینؒ نے بھی اپنے مریدین کو عجلت سے منع فرمایا ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا علمی اور تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ واقعی صاحبِ حکمت بننا چاہتا ہے تو اسے توقف سیکھنا ہوگا، ورنہ وہ جہالت میں ہی پڑا رہے گا۔

---

[2] شیخ ابو حامد غزالی، احیاء العلوم، ترجمہ مؤید الدین خوارزمی (تہران: علمی و فرهنگی، ۱۳۸۴ش)، جلد سوم، ص ۴۸

[3] شیخ ابو الحسن خرقانی، نور العلوم، تصحیح محمد رضا شفیعی کدکنی (تہران: طهوری، ۱۳۷۴ش)، ص ۹۱

مولانا جلال الدین روم نے مثنوی معنوی میں فرمایا:

**«توقف کن در سخن، ای تند گوی *تا نیفتی در بلا و بد خلوی»**[4]

ترجمہ: "بات میں توقف کر، اے تیز بولنے والے *تاکہ بلا اور بد اخلاقی میں نہ پڑ جاؤ۔"

مولانا روم نے اس شعر میں ایک ایسے شخص کو مخاطب کیا ہے جو "تند گوی" (تیز بولنے والا، جلد باز) ہے۔ وہ اسے نصیحت کرتے ہیں کہ "در سخن توقف کن" یعنی اپنی بات میں توقف کر، ٹھہر کر بول۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو "نیفتی در بلا و بد خلوی" یعنی وہ بلا (مصیبت، پریشانی، آفت) اور بد اخلاقی میں پڑ جائے گا۔ "بلا" سے مراد وہ تمام تکلیفیں ہیں جو جلد بازی سے بولی گئی باتوں کی وجہ سے آتی ہیں، جیسے جھگڑے، لڑائیاں، تعلقات کی خرابی، اور عزت میں کمی۔ "بد خلوی" سے مراد بد اخلاقی ہے، کیونکہ جلد بازی سے بولنے والا شخص اکثر بد تمیزی، بے ادبی، اور ناشائستگی کا مظاہرہ کر بیٹھتا ہے۔ یہ شعر ایک انتباہ ہے کہ بے توقفی کے نتائج بہت سنگین ہو سکتے ہیں، اور ان سے بچنے کا واحد راستہ توقف ہے۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے اپنے مریدین کو اسی طرح خبر دار کیا ہے کہ بے توقفی سے بچو، کیونکہ یہ شیطان کا کام ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا عملی اور اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ اپنی گفتار میں توقف کو معمول بنا لے تاکہ وہ ان بلاؤں اور بد اخلاقیوں سے بچ سکے جن کا ذکر روم نے کیا ہے۔

شیخ نجیب الدین سہروردی نے آداب المریدین میں لکھا ہے:

**«توقف، سنتِ انبیاست و ترکِ توقف، عادتِ شیاطین. هر که سنتِ انبیا را زنده کند، با انبیا محشور شود»**[5]

ترجمہ: "توقف، انبیاء کی سنت ہے اور توقف کو چھوڑنا، شیاطین کی عادت ہے۔ جو انبیاء کی سنت کو زندہ کرتا ہے، وہ انبیاء کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔"

شیخ نجیب الدین نے اس قول میں توقف کو ایک بہت بلند مقام عطا کیا ہے۔ انہوں نے توقف کو "سنتِ انبیاست" یعنی انبیاء علیہم السلام کا طریقہ اور عادت قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں انبیاء کی گفتار کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ ٹھہر کر، غور کر کے، اور حکمت کے ساتھ بولتے تھے، کبھی جلدی میں نہیں بولتے تھے۔ اس کے برعکس "ترکِ توقف، عادتِ شیاطین" یعنی توقف کو چھوڑ کر جلدی بولنا شیطانوں کی عادت ہے، کیونکہ شیطان انسان کو جلد بازی پر اکساتا ہے تاکہ وہ غلطیاں کرے۔ پھر فرمایا: "هر که سنتِ انبیا را زنده کند، با انبیا محشور شود" یعنی جو انبیاء کی سنت کو زندہ کرتا ہے (یعنی اس پر عمل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیتا ہے)، وہ قیامت کے دن انبیاء کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ یہ ایک بہت بڑی بشارت ہے کہ توقف جیسی چھوٹی سی عادت انسان کو انبیاء کی صحبت میں لے جا سکتی ہے۔ فوائد الفواد میں حضرت نظام الدینؒ نے بھی اپنے مریدین کو سنت کی پیروی کی تلقین کی ہے، اور توقف کو بھی اسی زمرے میں شامل کیا ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا دینی اور روحانی اثر یہ ہے کہ وہ توقف کو نہ صرف ایک دانشمندانہ عمل سمجھے بلکہ ایک دینی فریضہ اور سنت نبوی بھی سمجھے، اور اس پر عمل کرنے کو انبیاء کے ساتھ محشور ہونے کا ذریعہ جانے۔

---

[4] مولانا جلال الدین روم، مثنوی معنوی، دفتر سوم، تصحیح رینولد نکلسن (تہران: نشر علم، ۱۳۸۴ش)، بیت ۴۵۶

[5] شیخ نجیب الدین سہروردی، آداب المریدین، تصحیح نجیب مایل ہروی (تہران: مولی، ۱۳۶۵ش)، ص ۹۴

**۲۔اجمال**

اجمال کا مطلب ہے مختصر اور جامع اظہار۔ سکوت کا ایک عملی مظہر یہ بھی ہے کہ انسان جب بولے تو کم بولے لیکن پُر مغز بولے۔ صوفیاء نے ہمیشہ طوالت سے گریز کیا اور اپنی بات کو چند الفاظ میں سمونے کی کوشش کی۔ فوائد الفواد کی مجالس اس کی بہترین مثال ہیں۔

امیر حسن سجزی نے اس سلسلے میں لکھا ہے:

**«شیخ ما، هیچگاه سخن را طول نمی داد ند و هر معنی را در اندک لفظی چنان جامع بیان می کرد ندی که گویی در یک قطره، دریایی پنهان بود»**[6]

ترجمہ: "ہمارے شیخ، کبھی بھی بات کو طول نہیں دیتے تھے اور ہر معنی کو تھوڑے الفاظ میں اس قدر جامع بیان کرتے تھے گویا ایک قطرے میں سمندر چھپا ہو۔"

یہ امیر حسن سجزی کا اپنے شیخ حضرت نظام الدینؒ کے بارے میں ایک نہایت خوبصورت اور مؤثر بیان ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "شیخ ما، هیچگاه سخن را طول نمی داد ند "یعنی ہمارے شیخ کبھی بھی بات کو لمبا نہیں کرتے تھے، وہ ہمیشہ مختصر گفتگو کرتے تھے۔ لیکن یہ مختصر گفتگو معمولی نہیں ہوتی تھی بلکہ "هر معنی را در اندک لفظی چنان جامع بیان می کرد ندی "یعنی ہر معنی کو تھوڑے سے الفاظ میں اس قدر جامع اور مکمل بیان کر دیتے تھے کہ "گویی در یک قطره، دریایی پنهان بود "گویا ایک قطرے میں پورا سمندر چھپا ہوا ہو۔ یہ اجمال (مختصر گوئی) کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ ایک قطرہ پانی سمندر کا جزو ہوتا ہے لیکن اس میں سمندر کی تمام خصوصیات موجود ہوتی ہیں۔ اسی طرح حضرت کے الفاظ تھوڑے ہوتے تھے لیکن ان میں بہت گہرے اور وسیع معانی ہوتے تھے۔ یہ سکوت کی ایک شکل ہے، کیونکہ جب انسان کم بولتا ہے تو وہ دراصل زیادہ بولنے سے بچتا ہے، اور یہی سکوت ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ اتنا جامع بولتا ہے کہ اس کے مختصر الفاظ میں بہت کچھ آ جاتا ہے۔ فوائد الفواد میں حضرت نظام الدینؒ کے ملفوظات اسی اصول پر مرتب کیے گئے ہیں۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ لمبی اور بے معنی گفتگو سے بچے، اور اپنی بات کو مختصر، جامع اور پُر معنی بنانے کی کوشش کرے۔ اسے چاہیے کہ وہ کم بولے لیکن اس کے کم الفاظ میں بہت کچھ ہو۔

شیخ سعدی شیرازی نے گلستان میں تحریر کیا ہے:

**«سخن کوتاه و پر معنی، به از سخن دراز سه بی حاصل باشد. خاموشیِ عاقل، به از گفتارِ جاهل»**[7]

ترجمہ: "مختصر اور پُر معنی بات، لمبی بات سے بہتر ہے جو بے حاصل ہو۔ عاقل کی خاموشی، جاہل کی گفتار سے بہتر ہے۔"

شیخ سعدی نے اس قول میں اجمال کی اہمیت کو بڑے واضح اور جامع الفاظ میں پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک "سخن کوتاه و پر معنی "یعنی مختصر اور پُر معنی بات "به از سخن دراز سه بی حاصل باشد "یعنی اس لمبی بات سے بہتر ہے جو بے حاصل ہو۔ یہاں "بی حاصل "سے مراد وہ بات ہے جس میں نہ کوئی فائدہ ہو، نہ کوئی گہرائی، نہ کوئی اثر۔ ایسی لمبی باتیں سننے والے کو اکتا دیتی ہیں اور اس کا وقت ضائع کرتی ہیں۔ پھر فرمایا: "خاموشیِ عاقل، به از گفتارِ جاهل "یعنی عاقل کی خاموشی، جاہل کی گفتار سے بہتر ہے۔ یہ ایک بہت اہم نکتہ ہے کہ بعض اوقات خاموش رہنا بھی ایک عقل مندی ہے، جبکہ بولنا بے وقوفی ہو سکتی ہے۔ عاقل وہ ہے جو جانتا ہے کہ کب بولنا ہے اور کب خاموش رہنا ہے، اور جب بولتا ہے تو مختصر اور پُر مغز بولتا ہے۔ سعدی نے اس قول میں اجمال کو عقل کی علامت اور اطناب (لمبی گفتگو)

---

[6] امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، ص ۲۵۔

[7] شیخ سعدی شیرازی، گلستان، تصحیح محمد علی فروغی (تہران: امیر کبیر، ۱۳۶۴ش)، باب اول، حکایت نمبر ۱۰، ص ۴۵

کو جہالت کی علامت قرار دیا ہے۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے اپنے مریدین کو یہی تعلیم دی ہے کہ وہ بہت بولنے سے بچیں اور جب بولیں تو مختصر اور پُر معنی بولیں۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا عملی اور اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ اپنی روزمرہ کی گفتگو میں اعتدال اختیار کرے، ضرورت سے زیادہ بولنے سے بچے، اور جہاں تک ممکن ہو اپنی بات کو مختصر رکھے۔ اسے یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بعض اوقات خاموش رہنا بولنے سے بہتر ہوتا ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے خود ایک مجلس میں ارشاد فرمایا:

**«کم گوی و جامہ گوی، سہ این از خلقِ انبیاست و بسیار گویی، از خلقِ شیطان. پیغمبران، کم گفتند و بسیار کردند و شیطان، بسیار گفت و کم کرد»**[8]

ترجمہ: "کم بولو اور جامع بولو، کیونکہ یہ انبیاء کا خلق (کردار) ہے اور بہت بولنا، شیطان کا خلق ہے۔ پیغمبر کم بولتے تھے اور زیادہ کرتے تھے، اور شیطان زیادہ بولا اور کم کیا۔"

یہ قول خود حضرت نظام الدینؒ کا ہے اور اس میں انہوں نے سکوت کے عملی مظہر "اجمال" کو ایک بہت بلند مقام عطا کیا ہے۔ انہوں نے "کم گوئی" (کم بولنا) اور "جامع گوئی" (جامع بولنا) کو "خلقِ انبیاست" یعنی انبیاء علیہم السلام کا کردار قرار دیا ہے۔ انبیاء ہمیشہ کم بولتے تھے لیکن ان کے کم الفاظ میں بہت گہرے اور جامع معانی ہوتے تھے۔ اس کے برعکس "بسیار گویی" (بہت بولنا) کو "خلقِ شیطان" یعنی شیطان کا کردار کہا ہے۔ پھر انہوں نے ایک اہم فرق بیان کیا: "پیغمبران، کم گفتند و بسیار کردند" یعنی پیغمبروں نے کم بولا لیکن بہت کچھ کیا، ان کے عمل ان کی گفتار سے کہیں زیادہ تھے۔ جبکہ "شیطان، بسیار گفت و کم کرد" یعنی شیطان نے بہت بولا لیکن کم کیا، اس کی گفتار اس کے عمل سے کہیں زیادہ تھی۔ یہ ایک بہت گہرا نکتہ ہے کہ گفتار اور عمل کا تناسب بھی اہم ہے۔ جو شخص کم بولتا ہے، اسے عمل کرنے کا زیادہ موقع ملتا ہے، جبکہ جو بہت بولتا ہے، اس کا زیادہ تر وقت گفتار میں ضائع ہو جاتا ہے اور عمل کم ہو جاتا ہے۔ یہ قول سکوت کے عملی مظہر "اجمال" کو ایک دینی اور روحانی ضرورت بنا دیتا ہے۔ فوائد الفواد میں یہ قول مریدین کے لیے ایک اہم رہنما اصول ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا عملی اور روحانی اثر یہ ہے کہ وہ کم اور جامع بولنے کو ایک نبوی صفت سمجھے اور اسے اپنانے کی کوشش کرے۔ اسے یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بولنے سے زیادہ اہم عمل ہے، اور کم بول کر وہ عمل کے لیے زیادہ وقت نکال سکتا ہے۔

خواجہ عبداللہ انصاری نے کشف الاسرار میں فرمایا:

**«کم گویی، دلیلِ عقل است و بسیار گویی، دلیلِ جهل. عاقل، آن است سہ سخن را بہ قدرِ حاجت گوید و از فضول بپرهیزد. جاهل، آن است سہ هرچه بہ زبان آید، بگوید و از عاقبت نترسد»**[9]

ترجمہ: "کم گوئی، عقل کی دلیل ہے اور بہت گوئی، جہالت کی دلیل۔ عاقل وہ ہے جو بات کو ضرورت کے بقدر کہے اور فضول سے بچے۔ جاہل وہ ہے جو جو کچھ زبان پر آئے، کہہ ڈالے اور انجام سے نہ ڈرے۔"

خواجہ انصاری نے اس قول میں کم گوئی کو "دلیلِ عقل" (عقل کی دلیل) اور بہت گوئی کو "دلیلِ جہل" (جہالت کی دلیل) قرار دیا ہے۔ پھر انہوں نے عاقل کی تعریف کرتے ہوئے کہا: "عاقل، آن است سہ سخن را بہ قدرِ حاجت گوید" یعنی عاقل وہ ہے جو بات کو ضرورت کے بقدر کہے، نہ اس سے کم اور نہ

[8] نظام الدین اولیاء، فوائد الفواد، مجلس ۲۲، ص ۱۴۵

[9] خواجہ عبداللہ انصاری، کشف الاسرار، جلد اول (تہران: انتشارات علمی و فرهنگی، ۱۳۷۵ش)، ص ۲۳۴

زیادہ۔اور "از فضول بپرھیزد" یعنی فضول باتوں سے بچے۔ "فضل" سے مراد وہ باتیں ہیں جو نہ دین کے کام کی ہوں، نہ دنیا کے، اور نہ کسی اخلاقی ضرورت کی۔اس کے برعکس جاہل کی تعریف کرتے ہوئے کہا: "جاھل، آن است کہ ھرچہ بہ زبان آید، بگوید" یعنی جاہل وہ ہے جو جو کچھ زبان پر آجائے، کہہ ڈالتا ہے، بغیر سوچے سمجھے۔ "واز عاقبت نترسد" یعنی انجام سے نہیں ڈرتا، اسے پرواہ نہیں کہ اس کی باتوں کے کیا نتائج ہوں گے۔ یہاں "قدرِ حاجت" کا تصور بہت اہم ہے۔ بعض اوقات ضرورت کے بقدر بولنا بھی بہت زیادہ ہو سکتا ہے، اور بعض اوقات تھوڑا سا بولنا بھی کم ہو سکتا ہے۔ لیکن عاقل وہ ہے جو ہر موقع پر یہ اندازہ کرلے کہ اسے کتنا بولنا ہے، کیا بولنا ہے، اور کب بولنا ہے۔یہی اجمال اور سکوت کا عملی مظہر ہے۔ فوائد الفواد میں حضرت نظام الدینؒ نے بھی اپنے مریدین کو یہی تعلیم دی ہے کہ وہ عاقل بنیں اور ضرورت کے بقدر بولیں۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا فکری اور تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ بولنے سے پہلے یہ سوچے کہ کیا واقعی یہ بات ضروری ہے، اور اگر ہے تو کتنی ضروری ہے، اور اس کے مطابق بولے۔اسے فضول گوئی سے بچنا چاہیے اور ہمیشہ اپنی بات کے انجام کا خیال رکھنا چاہیے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف المعارف میں تحریر کیا ہے:

**«ثمرۂ اجمال، فھمِ مخاطب است و ثمرۂ اطناب، ملالِ مخاطب. فمن أراد أن یفھم، فلیوجز و من أراد أن یمل، فلیطنب. واعلم ان اقل الکلام اعظمہ برکۃ»**[10]

ترجمہ: "اجمال (مختصر گوئی) کا پھل، مخاطب کی سمجھ ہے اور اطناب (لمبی گفتگو) کا پھل، مخاطب کی اکتاہٹ ہے۔ پس جو چاہتا ہے کہ سمجھا جائے، وہ مختصر بولے اور جو چاہتا ہے کہ لوگ اکتا جائیں، وہ لمبی گفتگو کرے۔اور جان لو کہ کم سے کم کلام سب سے زیادہ بابرکت ہوتا ہے۔"

شیخ سہروردی نے اس قول میں اجمال اور اطناب کے مختلف نتائج بیان کیے ہیں۔ "اجمال" (مختصر اور جامع گفتگو) کا پھل "فھمِ مخاطب" ہے، یعنی سننے والا بات کو اچھی طرح سمجھ جاتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مختصر بات میں پیچیدگی کم ہوتی ہے اور اہم نکات واضح ہوتے ہیں، جس سے سننے والا آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ جبکہ "اطناب" (لمبی اور فضول گفتگو) کا پھل "ملالِ مخاطب" ہے، یعنی سننے والا اکتا جاتا ہے اور اس کی توجہ بھٹک جاتی ہے، جس کی وجہ سے وہ بات کو صحیح طرح سمجھ نہیں پاتا۔ پھر وہ کہتے ہیں: "فمن أراد أن یفھم، فلیوجز" یعنی جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی بات سمجھی جائے، اسے مختصر بولنا چاہیے۔ "و من أراد أن یمل، فلیطنب" یعنی جو چاہتا ہے کہ لوگ اس سے اکتا جائیں، وہ لمبی گفتگو کرے۔ آخر میں ایک بہت اہم نکتہ فرمایا: "واعلم ان اقل الکلام اعظمہ برکۃ" یعنی جان لو کہ کم سے کم کلام سب سے زیادہ بابرکت ہوتا ہے۔ "برکت" سے مراد وہ خیر اور فائدہ ہے جو الفاظ سے زیادہ ہو۔ کم کلام میں برکت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اس کے الفاظ کم ہوتے ہیں لیکن معنی زیادہ ہوتے ہیں، اور اس کا اثر بھی زیادہ ہوتا ہے۔ یہ ایک عملی حقیقت ہے کہ لمبی تقریریں اور باتیں اکثر لوگوں کو اکتا دیتی ہیں، جبکہ مختصر اور جامع باتیں زیادہ اثر کرتی ہیں۔ یہ سکوت کے عملی مظہر "اجمال" کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ فوائد الفواد میں حضرت نظام الدینؒ کی مجالس کی یہی خصوصیت تھی کہ وہ مختصر مگر جامع گفتگو فرماتے تھے، جس کی وجہ سے مریدین بڑی توجہ سے سنتے تھے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا تربیتی اور عملی اثر یہ ہے کہ وہ اپنی گفتگو کو مختصر اور جامع بنانے کی کوشش کرے تاکہ لوگ اسے بہتر طور پر سمجھ سکیں، اور اس کی بات میں برکت ہو۔

[10] شیخ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، ترجمہ محمود بن عثمان (تہران: اساطیر، ۱۳۸۱ش)، ص ۲۵۵

**۳۔خاموشی کی کیفیت**

سکوت کی دو قسمیں ہیں: ظاہری خاموشی اور باطنی خاموشی۔ ظاہری خاموشی سے مراد زبان کی بندش ہے، جبکہ باطنی خاموشی سے مراد دل اور خیالات کی بندش ہے۔ صوفیانہ تربیت میں باطنی خاموشی کو ظاہری خاموشی سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے، کیونکہ بظاہر خاموش رہنے والا شخص دل میں ہزاروں باتیں کر رہا ہوتا ہے۔

خواجہ حافظ شیرازی نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

**«خاموشیِ ظاهر، آسان است اما خاموشیِ باطن، کارِ مردانِ خداست. هر که باطن را خاموش کند، به مقصود رسد و هر که ظاهر را خاموش دارد و باطن را نه، او از خود فریفته است»**[11]

ترجمہ: "ظاہری خاموشی آسان ہے لیکن باطنی خاموشی خدا کے مردوں کا کام ہے۔ جو باطن کو خاموش کر لے، وہ مقصد تک پہنچ جاتا ہے اور جو ظاہر کو تو خاموش رکھے لیکن باطن کو نہیں، وہ اپنے آپ سے دھوکا کھا رہا ہے۔"

حافظ نے اس قول میں خاموشی کی دو قسموں کا واضح فرق بیان کیا ہے۔ "خاموشیِ ظاهر" یعنی ظاہری خاموشی، زبان کی بندش، "آسان است" یعنی آسان ہے، کیونکہ کوئی بھی شخص چاہے تو اپنی زبان کو روک سکتا ہے، کم از کم تھوڑی دیر کے لیے۔ لیکن "خاموشیِ باطن" یعنی باطنی خاموشی، دل اور خیالات کی بندش، "کارِ مردانِ خداست" یعنی خدا کے مردوں (اولیاء اور اکابر صوفیاء) کا کام ہے، کیونکہ یہ بہت مشکل ہے۔ پھر فرمایا: "هر که باطن را خاموش کند، به مقصود رسد" یعنی جو اپنے باطن کو خاموش کر لیتا ہے (یعنی اس کے دل میں غیر اللہ کے خیالات نہیں آتے)، وہ اپنے مقصد (خدا کی معرفت اور وصال) تک پہنچ جاتا ہے۔ اور "هر که ظاهر را خاموش دارد و باطن را نه، او از خود فریفته است" یعنی جو ظاہر کو تو خاموش رکھے لیکن باطن کو نہ رکھے (یعنی اس کی زبان تو خاموش ہے لیکن دل میں ہزاروں خیالات دوڑ رہے ہیں)، وہ اپنے آپ سے دھوکا کھا رہا ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ وہ سکوت میں ہے جبکہ حقیقت میں وہ نہیں ہے۔ یہ ایک نہایت اہم نکتہ ہے کہ باطنی خاموشی حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ انسان زبان تو بند کر سکتا ہے لیکن دل کے خیالات کو بند کرنا بڑی مشقت طلب عمل ہے، جسے "مجاہدہ" کہتے ہیں۔ فوائد الفواد میں حضرت نظام الدینؒ نے اپنے مریدین کو باطنی خاموشی کی مشق کرنے کی تلقین کی، کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں انسان کو حقیقی روحانی سکون حاصل ہوتا ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا روحانی اور تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ صرف ظاہری خاموشی پر اکتفا نہ کرے بلکہ اپنے دل اور خیالات کو خاموش کرنے کی کوشش کرے۔ اسے چاہیے کہ ذکرِ الٰہی اور مراقبہ کے ذریعے اپنے دل کو غیر اللہ کے خیالات سے پاک کرے۔

شیخ ابو علی دقاق نے اپنے ملفوظات میں فرمایا:

**«سکوتِ ظاهر، حجابِ سکوتِ باطن است و سکوتِ باطن، حجابِ سکوتِ سرّ. هر که از این سه پرده بگذرد، به حقیقت رسد»**[12]

ترجمہ: "ظاہری سکوت، باطنی سکوت کا پردہ ہے اور باطنی سکوت، سکوتِ سرّ (باطن کے باطن) کا پردہ۔ جو ان تینوں پردوں سے گزر جائے، وہ حقیقت تک پہنچ جاتا ہے۔"

---

[11] حافظ شیرازی، دیوان حافظ، بہ کوشش محمد قزوینی و قاسم غنی (تہران: زوار، ۱۳۲۰ش)، غزل نمبر ۱۸۹

[12] شیخ ابو علی دقاق، نقل از تذکرۃ الاولیاء، تصحیح محمد استعلامی (تہران: زوار، ۱۳۸۵ش)، ص ۱۴۶

شیخ ابو علی دقاق نے اس قول میں سکوت کے تین درجے بیان کیے ہیں اور انہیں "پردے" قرار دیا ہے۔ "سکوتِ ظاھر" یعنی ظاہری خاموشی، زبان کی بندش، "حجابِ سکوتِ باطن است" یعنی یہ باطنی خاموشی کا پردہ ہے، یعنی اس کے پیچھے باطنی خاموشی کا مقام ہے۔ اور "سکوتِ باطن" یعنی دل اور خیالات کی خاموشی، "حجابِ سکوتِ سرّ است" یعنی یہ "سکوتِ سرّ" (باطن کے باطن کی خاموشی، روح کی خاموشی) کا پردہ ہے۔ "سرّ" سے مراد انسان کی وہ最深اور باطنی ترین تہ ہے جو صرف اللہ سے تعلق رکھتی ہے۔ پھر فرمایا: "ھر کہ از این سہ پردہ بگذرد، بہ حقیقت رسد" یعنی جو ان تینوں پردوں سے گزر جائے (یعنی ظاہری خاموشی، پھر باطنی خاموشی، پھر سکوتِ سرّ حاصل کرلے)، وہ "حقیقت" (اللہ تعالیٰ کی حقیقت، یا وجود کی حقیقت) تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ قول سکوت کو ایک طویل اور گہرے روحانی سفر کے طور پر پیش کرتا ہے، جہاں ہر درجہ اگلے درجے کا پردہ ہے۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے اپنے مریدین کو انہی تین درجوں سے گزارا ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا روحانی اور فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ سکوت کی ایک ہی شکل نہیں بلکہ اس کی کئی گہری شکلیں ہیں، اور اسے ان سب سے گزرنا ہے۔ اسے چاہیے کہ پہلے ظاہری خاموشی حاصل کرے، پھر باطنی خاموشی کی طرف بڑھے، اور آخر میں سکوتِ سرّ کے مقام تک پہنچنے کی کوشش کرے۔

مولانا جلال الدین روم نے مثنوی معنوی میں فرمایا:

**«خاموشیِ ظاهر، دمِ حیوان است وبس * خاموشیِ باطن، دمِ انسانِ کامل است»**[13]

ترجمہ: "ظاہری خاموشی تو بس حیوان کی سی خاموشی ہے * باطنی خاموشی انسانِ کامل کی خاموشی ہے۔"

مولانا روم نے اس شعر میں ظاہری اور باطنی خاموشی کے درمیان بہت گہرا اور اہم فرق بیان کیا ہے۔ انہوں نے "خاموشیِ ظاھر" یعنی ظاہری خاموشی کو "دمِ حیوان است وبس" یعنی محض حیوان کی سی خاموشی قرار دیا ہے۔ حیوان بھی خاموش رہ سکتا ہے، لیکن اس کی خاموشی میں کوئی شعور، کوئی معرفت، کوئی روحانیت نہیں ہوتی۔ یہ خاموشی محض زبان کی بندش ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ لیکن "خاموشیِ باطن" یعنی باطنی خاموشی کو انہوں نے "دمِ انسانِ کامل است" یعنی انسانِ کامل (مکمل انسان، ولی اللہ، عارف باللہ) کی خاموشی قرار دیا ہے۔ انسانِ کامل کی خاموشی میں اس کا پورا وجود اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس کا دل ذکر میں مشغول ہوتا ہے، اور اس کے خیالات بھی اللہ کے سوا کسی اور کی طرف نہیں جاتے۔ یہ خاموشی ایک اعلیٰ روحانی کیفیت ہے۔ رومؒ نے یہاں یہ بتایا ہے کہ خاموشی کی قدر و قیمت اس کی کیفیت پر منحصر ہے۔ صرف زبان بند کر دینے سے کوئی انسانِ کامل نہیں بن جاتا، بلکہ اس کے ساتھ دل اور باطن کی خاموشی بھی ضروری ہے۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے اپنے مریدین کو یہی تعلیم دی ہے کہ وہ ظاہری خاموشی سے باطنی خاموشی کی طرف بڑھیں۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اور تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ خاموشی کو صرف زبان کی بندش نہ سمجھے بلکہ اسے دل اور روح کی گہری مشق سمجھے۔ اسے چاہیے کہ وہ اپنی خاموشی کو حیوانی سطح سے نکال کر انسانِ کامل کی سطح تک پہنچانے کی کوشش کرے۔

[13] مولانا جلال الدین روم، مثنوی معنوی، دفتر چہارم، بیت ۲۳۴۵

خواجہ عبداللہ انصاری نے مناجات نامے میں عرض کیا ہے:

**«الٰهی، مرا چنان کن کہ خاموشیِ من، خاموشیِ ظاهر نباشد بلکہ خاموشیِ باطن باشد و باطنِ من، از تو بجز تو هیچ نشنود»**[14]

ترجمہ: "اے معبود! مجھے ایسا کر دے کہ میری خاموشی ظاہری خاموشی نہ ہو بلکہ باطنی خاموشی ہو، اور میرا باطن تجھ سے بجز تو کچھ نہ سنے۔"

یہ خواجہ انصاری کی ایک نہایت پُر درد اور عاجزانہ مناجات ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ "مرا چنان کن کہ خاموشیِ من، خاموشیِ ظاہر نباشد" یعنی مجھے ایسا کر دے کہ میری خاموشی ظاہری خاموشی نہ ہو (یعنی محض زبان کی بندش نہ ہو)" بلکہ خاموشیِ باطن باشد" بلکہ وہ باطنی خاموشی ہو (یعنی دل اور خیالات کی بندش ہو)۔ پھر فرماتے ہیں: "و باطنِ من، از تو بجز تو هیچ نشنود" یعنی اور میرا باطن تیری ذات سے بجز تیرے کچھ نہ سنے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دل میں کوئی ایسی آواز نہ آئے جو اللہ کی طرف سے نہ ہو، اور نہ وہ کسی ایسی چیز کی طرف توجہ کرے جو اللہ کے علاوہ ہو۔ یہ مناجات باطنی خاموشی کی اعلیٰ ترین کیفیت کو ظاہر کرتی ہے، جہاں باطن مکمل طور پر اللہ کے لیے خالی ہو جاتا ہے اور صرف اسی کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ فوائد الفواد میں حضرت نظام الدینؒ نے بھی اپنے مریدین کو اس مقام تک پہنچنے کی تلقین کی ہے۔ قاری کے لیے اس مناجات کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ باطنی خاموشی کے لیے دعا اور اللہ کی مدد ضروری ہے، اور اسے چاہیے کہ وہ بھی اس طرح کی دعائیں کرے۔

**۴۔ عملی پہلو**

سکوت کے عملی مظاہر کا تعلق روزمرہ زندگی سے ہے۔ صوفیاء نے اپنے مریدین کو ہدایت کی کہ وہ روزانہ کے معمولات میں سکوت کے لیے کچھ وقت نکالیں۔ یہ وقت تنہائی میں گزارا جائے، جہاں کوئی خلل انداز نہ ہو۔ اس وقت میں وہ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہیں اور اپنے دل کا محاسبہ کریں۔

امیر حسن سجزیؒ نے فوائد الفواد کے مقدمے میں لکھا ہے:

**«شیخ ما، هر روز ساعتی را به خلوت می گذراند و در آن ساعت، هیچکس را اجازهٔ سخن نبود ندی. این ساعت، مایهٔ صفای دل و روشنیِ جان بودی و مریدان را نیز بدین ساعت امر فرمودندی»**[15]

ترجمہ: "ہمارے شیخ، ہر روز ایک گھنٹہ خلوت میں گزارتے تھے اور اس گھنٹے میں کسی کو بات کرنے کی اجازت نہ ہوتی۔ یہ گھنٹہ دل کی صفائی اور جان کی روشنی کا ذریعہ ہوتا تھا اور مریدوں کو بھی اس گھنٹے کا حکم دیتے تھے۔"

یہ امیر حسن سجزی کا اپنے شیخ حضرت نظام الدینؒ کے بارے میں ایک اہم تاریخی شہادت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "شیخ ما، هر روز ساعتی را به خلوت می گذراند" یعنی ہمارے شیخ ہر روز ایک گھنٹہ خلوت (تنہائی) میں گزارتے تھے۔ "و در آن ساعت، هیچکس را اجازهٔ سخن نبود ندی" یعنی اس گھنٹے میں کسی کو (یہاں تک کہ قریبی مریدوں کو بھی) بات کرنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی، تاکہ مکمل خاموشی اور سکوت قائم رہے۔ پھر فرمایا: "این ساعت، مایهٔ صفای دل و روشنیِ جان بودی" یعنی یہ گھنٹہ دل کی صفائی اور جان کی روشنی کا ذریعہ ہوتا تھا۔ "صفای دل" سے مراد دل کی پاکیزگی اور صفائی، اور "روشنیِ جان" سے مراد روح کی منور ہونا ہے۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ "و مریدان را نیز بدین ساعت امر فرمودندی" یعنی وہ مریدوں کو بھی اس گھنٹے (یعنی روزانہ ایک گھنٹہ خلوت اور سکوت میں

---

[14] خواجہ عبداللہ انصاری، مناجات نامہ، تصحیح محمد رضا شفیعی کدکنی (تہران: سخن، ۱۳۸۸ش)، مناجات پانزدھم

[15] امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، مقدمہ، ص ۳۱

گزارنے) کا حکم دیتے تھے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نظام الدینؒ خود سکوت کو عملی طور پر اپنے روزمرہ کے معمولات کا حصہ بنائے ہوئے تھے،اور یہ کوئی نظری ہدایت نہیں تھی بلکہ ایک عملی مشق تھی جسے وہ خود بھی کرتے تھے اور مریدین کو بھی کرنے کا حکم دیتے تھے۔ فوائد الفواد میں اس قسم کی عملی ہدایات کثرت سے ملتی ہیں۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا عملی اثر یہ ہے کہ وہ روزانہ کچھ وقت نکال کر مکمل خاموشی اور تنہائی میں گزارے، چاہے پانچ منٹ سے شروع کرے،اور آہستہ آہستہ اسے بڑھاتا جائے۔ یہ وقت اس کے دل کی صفائی اور روح کی روشنی کا ذریعہ بنے گا۔

شیخ ابو سعید ابی الخیر نے اسرار التوحید میں فرمایا:

**«تمرین سکوت، آن است کہ ہر روز ساعتی بنشینی و زبان و دل را از ہمہ چیز بندی، مگر از یاد خدا. ابتدا این تمرین دشوار نماید، اما پس از چھل روز، طبیعتِ تو گردد و بی زحمت توانی کرد»**[16]

ترجمہ: "سکوت کی مشق یہ ہے کہ ہر روز ایک گھنٹہ بیٹھو اور زبان اور دل کو ہر چیز سے بند کرو، سوائے خدا کے ذکر کے۔ ابتدا میں یہ مشق مشکل لگتی ہے، لیکن چالیس دن کے بعد یہ تمہاری طبیعت بن جائے گی اور بغیر مشقت کے کر سکو گے۔"

شیخ ابو سعید ابی الخیر نے اس قول میں سکوت کی عملی مشق کا ایک واضح اور قابلِ عمل طریقہ بتایا ہے۔ "تمرین سکوت، آن است کہ ہر روز ساعتی بنشینی "یعنی سکوت کی مشق یہ ہے کہ تم ہر روز ایک گھنٹہ بیٹھو۔اس ایک گھنٹے میں "زبان و دل را از ہمہ چیز بندی "یعنی اپنی زبان اور دل کو ہر چیز سے بند کر دو، "مگر از یاد خدا "یعنی سوائے خدا کے ذکر کے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ زبان تو بند ہے ہی، لیکن دل بھی تمام دنیاوی خیالات اور مشغلوں سے بند ہو،اور صرف اللہ کے ذکر میں مشغول رہے۔ پھر فرمایا: "ابتداء این تمرین دشوار نماید "یعنی ابتدا میں یہ مشق مشکل لگتی ہے، کیونکہ دل کو خالی کرنا اور صرف ایک چیز پر لگانا آسان نہیں ہے۔ لیکن "پس از چھل روز، طبیعتِ تو گردد "یعنی چالیس دن کے بعد یہ تمہاری طبیعت (فطرت، عادت، دوسری فطرت) بن جائے گی۔اور "و بی زحمت توانی کرد "یعنی پھر تم بغیر کسی مشقت کے یہ کر سکو گے۔ یہ ایک اہم نفسیاتی اور روحانی حقیقت ہے کہ کسی بھی عادت کو بننے میں تقریباً چالیس دن لگتے ہیں۔ صوفیاء نے اس اصول کو "چلہ کشی "کے نام سے اپنایا ہے، جہاں مرید چالیس دن تک کسی خاص مشق (جیسے سکوت، ذکر، یا ریاضت) کو لگاتار کرتا ہے۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے اپنے مریدین کو اس طرح کی مشقوں کی تلقین کی ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا عملی اور تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ سکوت کی مشق کو مستقل مزاجی کے ساتھ کرنا چاہیے، کم از کم چالیس دن تک، تاکہ یہ اس کی طبیعت بن جائے۔ اسے چاہیے کہ وہ چھوٹے وقت سے شروع کرے (مثلاً پانچ منٹ) اور پھر آہستہ آہستہ بڑھائے۔

[16] شیخ ابو سعید ابی الخیر، اسرار التوحید، تصحیح محمد رضا شفیعی کدکنی (تہران: سخن، ۱۳۸۶ش)، ص ۱۶۰

شیخ ابو حامد غزالی نے احیاء العلوم میں تحریر کیا ہے:

**«لسان، کلید قلب است و قلب، کلید سعادت. هر که خواهد که قلبش به سعادت رسد، باید لسان را در بند کند و سکوت را عادت خود سازد. و بهترین سکوت، آن است که با حضور قلب همراه باشد»** [17]

ترجمہ: "زبان، دل کی کنجی ہے اور دل، سعادت کی کنجی۔ جو چاہتا ہے کہ اس کا دل سعادت تک پہنچے، اسے چاہیے کہ زبان کو قید کر لے اور سکوت کو اپنی عادت بنالے۔ اور بہترین سکوت وہ ہے جو حضور قلب کے ساتھ ہو۔"

غزالی نے اس قول میں سکوت کے عملی پہلو کو ایک بہت گہرے فلسفیانہ اور روحانی تناظر میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے "اللسان، کلید قلب است" یعنی زبان دل کی کنجی ہے، کیونکہ زبان کے ذریعے دل کے خیالات اور جذبات باہر آتے ہیں، اور زبان کی حرکت دل کو متاثر کرتی ہے۔ اور "القلب، کلید سعادت" یعنی دل سعادت (حقیقی کامیابی، خوش بختی، نجات) کی کنجی ہے، کیونکہ دل ہی وہ مقام ہے جہاں ایمان، یقین، معرفت اور اللہ کی محبت ٹھہرتی ہے۔ پھر فرمایا: "هر که خواهد که قلبش به سعادت رسد، باید لسان را در بند کند" یعنی جو چاہتا ہے کہ اس کا دل سعادت تک پہنچے، اسے چاہیے کہ زبان کو قید کر لے۔ "و سکوت را عادت خود سازد" یعنی اور سکوت کو اپنی عادت بنالے۔ آخر میں ایک بہت اہم نکتہ فرمایا: "و بهترین سکوت، آن است که با حضور قلب همراه باشد" یعنی اور بہترین سکوت وہ ہے جو حضور قلب کے ساتھ ہو۔ "حضور قلب" سے مراد دل کی وہ کیفیت ہے جہاں وہ مکمل طور پر حاضر اور متوجہ ہو، نہ کہ غافل اور بھٹکا ہوا۔ یعنی محض زبان بند کر دینا کافی نہیں، بلکہ سکوت کی حالت میں دل بھی اللہ کی طرف متوجہ ہو، ذکر میں مشغول ہو، اور کسی اور طرف نہ بھٹکے۔ یہی وہ سکوت ہے جو سعادت تک پہنچاتا ہے۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے اپنے مریدین کو یہی تعلیم دی ہے کہ سکوت کے ساتھ حضور قلب ہونا چاہیے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا عملی اور روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سکوت کو صرف زبان کی بندش نہ سمجھے بلکہ اسے حضور قلب کے ساتھ کرنے کی کوشش کرے۔ اسے چاہیے کہ جب بھی وہ سکوت اختیار کرے، اپنے دل کو بھی اللہ کی طرف متوجہ رکھے۔

**مبحث دوم: سکوت اور روحانی تربیت**

اس مبحث میں ہم سکوت کے ان پہلوؤں کا جائزہ لیں گے جو روحانی تربیت سے گہرے تعلق رکھتے ہیں۔ سکوت نہ صرف نفس کی اصلاح کرتا ہے بلکہ دل کی بیداری، حضور قلب، اور دیگر روحانی کیفیات کو بھی پروان چڑھاتا ہے۔ یہ وہ راستہ ہے جس سے گزر کر سالک اپنے خالق کے قریب ہوتا ہے۔

**نفس کی اصلاح**

سکوت نفس کی اصلاح کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ نفس انسانی کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ بولنے میں اپنی نمائش چاہتا ہے۔ جب انسان خاموش ہو جاتا ہے تو نفس کو یہ موقع نہیں ملتا کہ وہ اپنی فضیلت جتائے۔ یوں آہستہ آہستہ نفس کی غرور اور تکبر جیسی صفات کمزور پڑنے لگتی ہیں۔

[17] شیخ ابو حامد غزالی، احیاء العلوم، جلد سوم، ص ۵۲

شیخ ابوالقاسم قشیری نے رسالہ قشیریہ میں تحریر کیا ہے:

**«سکوت، نفس را در بند کند و زبان را از آفات نگہ دارد. ھر کہ سکوت پیشہ کرد، نفس او رام شود و دل او آرام گیرد. و اعلم ان النفس اذا سکت اللسان، ذلت و اذا نطق، عزت»**[18]

ترجمہ: "سکوت نفس کو قید کر دیتا ہے اور زبان کو آفات سے بچاتا ہے۔ جس نے سکوت کو اپنا پیشہ بنالیا، اس کا نفس رام ہو جاتا ہے اور اس کا دل آرام پکڑ لیتا ہے۔ اور جان لو کہ نفس جب زبان خاموش ہوتی ہے تو ذلیل ہوتا ہے اور جب زبان بولتی ہے تو عزت پاتا ہے۔"

قشیری نے اس قول میں سکوت اور نفس کی اصلاح کے تعلق کو بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "سکوت، نفس را در بند کند" یعنی سکوت نفس کو قید کر دیتا ہے، اسے اس کی سرکشی سے روک دیتا ہے۔ "و زبان را از آفات نگہ دارد" یعنی زبان کو آفات (جیسے غیبت، جھوٹ، چغلی، وغیرہ) سے بچاتا ہے۔ پھر فرمایا: "ھر کہ سکوت پیشہ کرد، نفس او رام شود" یعنی جس نے سکوت کو اپنا پیشہ بنالیا، اس کا نفس رام (قابو میں، مطیع) ہو جاتا ہے۔ "و دل او آرام گیرد" یعنی اس کا دل آرام (سکون، اطمینان) پکڑ لیتا ہے۔ آخر میں ایک بہت اہم نکتہ فرمایا: "و اعلم ان النفس اذا سکت اللسان، ذلت و اذا نطق، عزت" یعنی اور جان لو کہ نفس جب زبان خاموش ہوتی ہے تو ذلیل ہوتا ہے اور جب زبان بولتی ہے تو عزت پاتا ہے۔ یہاں "عزت" سے مراد نفس کی اپنی گھٹیا قسم کی عزت ہے، جو دراصل اس کا غرور اور تکبر ہے۔ جب زبان خاموش ہوتی ہے تو نفس کو یہ موقع نہیں ملتا کہ وہ اپنی بڑائی جتائے، اس لیے وہ ذلیل ہوتا ہے۔ اور جب زبان بولتی ہے تو نفس اپنی نمائش کر سکتا ہے، اس لیے وہ عزت پاتا ہے۔ یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ انسان جتنا زیادہ بولتا ہے، اس کا نفس اتنا ہی ابھرتا اور بڑھتا ہے۔ اس لیے سکوت نفس کو کمزور کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔ فوائد الفواد میں بھی یہی تعلیم ملتی ہے کہ سکوت کے ذریعے نفس کو زیر کیا جا سکتا ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا روحانی اور تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ جب بھی وہ خاموش ہوتا ہے، وہ دراصل اپنے نفس کو ذلیل کر رہا ہوتا ہے، اور جب بولتا ہے تو اپنے نفس کو عزت دے رہا ہوتا ہے۔ اس لیے اسے چاہیے کہ وہ سکوت کو نفس کے خلاف ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرے۔

شیخ ابو حامد غزالی نے احیاء العلوم میں تحریر کیا ہے:

**«النفس امارۃ بالسوء و لسانھا ترجمانھا. فاذا سکت لسانھا، انقطعت مادتھا و ضعف سلطانھا. فمن اراد قھر نفسہ، فلیسکت و من اراد تقویتھا، فلیتکلم»**[19]

ترجمہ: "نفس برائی کا حکم دینے والا ہے اور اس کی زبان اس کا ترجمان ہے۔ جب اس کی زبان خاموش ہو جاتی ہے تو اس کی خوراک منقطع ہو جاتی ہے اور اس کا اقتدار کمزور پڑ جاتا ہے۔ پس جو اپنے نفس پر قہر کرنا چاہتا ہے، وہ خاموش رہے اور جو اسے مضبوط کرنا چاہتا ہے، وہ بولے۔"

غزالی نے اس قول میں ایک بہت گہرا نفسیاتی اور روحانی نکتہ بیان کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "النفس امارۃ بالسوء" یعنی نفس برائی کا حکم دینے والا ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے: «إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ» (یوسف: 53)۔ "و لسانھا ترجمانھا" یعنی اور اس کی زبان اس کا ترجمان ہے، یعنی نفس اپنے خیالات اور خواہشات کا اظہار زبان کے ذریعے کرتا ہے۔ پھر فرمایا: "فاذا سکت لسانھا، انقطعت مادتھا" یعنی جب اس کی زبان خاموش ہو جاتی ہے تو اس کی خوراک (جس سے وہ زندہ اور طاقتور رہتا ہے) منقطع ہو جاتی ہے۔ "و ضعف سلطانھا" یعنی اور اس کا اقتدار (دل اور بدن پر) کمزور پڑ جاتا ہے۔ آخر میں ایک بہت اہم نتیجہ فرمایا: "فمن اراد

---

[18] شیخ ابوالقاسم قشیری، رسالہ قشیریہ، ترجمہ ابو علی حسن بن احمد عثمانی (تہران: علمی و فرھنگی، ۱۳۷۴ش)، ص ۲۱۲

[19] شیخ ابو حامد غزالی، احیاء العلوم، جلد سوم، ص ۵۵

قھر نفسہ، فلیسکت "یعنی جو اپنے نفس پر قہر (غلبہ، فتح) کرنا چاہتا ہے، وہ خاموش رہے۔" و من اراد تقویتھا، فلیتکلم "یعنی جو اسے مضبوط کرنا چاہتا ہے، وہ بولے۔ یہ ایک بہت سخت اور واضح موقف ہے۔ غزالی کے نزدیک بولنا نفس کو طاقت دیتا ہے اور خاموشی نفس کو کمزور کرتی ہے۔ اس لیے جو شخص واقعی روحانی ترقی چاہتا ہے اور اپنے نفس پر قابو پانا چاہتا ہے، اسے سکوت اختیار کرنا چاہیے۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے اپنے مریدین کو یہی تعلیم دی ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا روحانی اور تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ ہر لفظ جو وہ بولتا ہے، اس کا نفس کو خوراک دیتا ہے، اور ہر خاموشی اس کے نفس کو کمزور کرتی ہے۔ اس لیے اسے چاہیے کہ وہ سکوت کو اپنے نفس کے خلاف ایک ہتھیار بنائے۔

شیخ نجیب الدین سہروردی نے آداب المریدین میں لکھا ہے:

**«نفس، درختِ تلخ است و سکوت، آتشِ آن. تا زبان خاموش نباشد، این درخت هر دم شاخهٔ ای تازه بر آرد و ثمرهٔ تلخ دهد. اما چون زبان خاموش شود، آتشِ سکوت آن درخت را بسوزد و ریشه اش را خشک کند»**[20]

ترجمہ: "نفس، ایک تلخ درخت ہے اور سکوت اس کی آگ۔ جب تک زبان خاموش نہ ہو، یہ درخت ہر دم ایک نئی شاخ نکالتا ہے اور تلخ پھل دیتا ہے۔ لیکن جب زبان خاموش ہو جاتی ہے تو سکوت کی آگ اس درخت کو جلا دیتی ہے اور اس کی جڑ کو خشک کر دیتی ہے۔"

شیخ نجیب الدین نے اس قول میں بہت خوبصورت اور مؤثر استعارہ استعمال کیا ہے۔ انہوں نے نفس کو "درختِ تلخ" (ایک تلخ درخت) سے تشبیہ دی ہے۔ یہاں "تلخ" سے مراد وہ تمام برائیاں اور تکلیفیں ہیں جو نفس سے پیدا ہوتی ہیں، جیسے غرور، حسد، بغض، کبر، ریا، وغیرہ۔ اور سکوت کو انہوں نے "آتشِ آن" یعنی اس درخت کی آگ قرار دیا ہے۔ پھر فرمایا: "تا زبان خاموش نباشد، این درخت هر دم شاخهٔ ای تازه بر آرد" یعنی جب تک زبان خاموش نہ ہو، یہ درخت ہر دم ایک نئی شاخ نکالتا ہے (یعنی نفس کی نئی برائیاں اور خواہشات پیدا ہوتی رہتی ہیں)۔ "و ثمرهٔ تلخ دهد" یعنی اور تلخ پھل دیتا ہے (یعنی گناہ اور روحانی تکلیفیں)۔ لیکن "چون زبان خاموش شود، آتشِ سکوت آن درخت را بسوزد" یعنی جب زبان خاموش ہو جاتی ہے تو سکوت کی آگ اس درخت کو جلا دیتی ہے۔ "و ریشه اش را خشک کند" یعنی اور اس کی جڑ کو خشک کر دیتی ہے، یعنی مکمل طور پر ختم کر دیتی ہے۔ یہ ایک بہت طاقتور اور گہرا استعارہ ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سکوت نہ صرف نفس کی شاخوں کو کاٹتا ہے بلکہ اس کی جڑ کو بھی ختم کر دیتا ہے۔ فوائد الفواد میں حضرت نظام الدینؒ نے بھی نفس کو اسی طرح ایک خطرناک دشمن قرار دیا ہے جسے سکوت کے ذریعے زیر کیا جا سکتا ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا روحانی اور تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ ہر لفظ جو وہ بولتا ہے، اس کا نفس کی جڑوں کو پانی دیتا ہے، اور ہر خاموشی اس کی جڑوں کو خشک کرتی ہے۔ اس لیے اسے چاہیے کہ وہ سکوت کے ذریعے اپنے نفس کو جڑ سے ختم کرنے کی کوشش کرے۔

خواجہ عبداللہ انصاری نے کشف الاسرار میں فرمایا:

**«نفس، دشمنِ توست و سکوت، شمشیرِ تو. با این شمشیر، دشمن را بکش و خود را از شر او رها کن. هر که سکوت را شمشیر خود نسازد، دشمن او را بکشد»**[21]

ترجمہ: "نفس تمہارا دشمن ہے اور سکوت تمہاری تلوار ہے۔ اس تلوار سے دشمن کو مارو اور اپنے آپ کو اس کے شر سے آزاد کرو۔ جو سکوت کو اپنی تلوار نہیں بناتا، دشمن اسے مار ڈالتا ہے۔"

---

[20] شیخ نجیب الدین سہروردی، آداب المریدین، ص ۶۷

[21] خواجہ عبداللہ انصاری، کشف الاسرار، جلد دوم، ص ۳۳۵

خواجہ انصاری نے اس قول میں بہت سخت اور جنگ جیسا استعارہ استعمال کیا ہے۔ انہوں نے نفس کو "دشمنِ توست" (تمہارا دشمن ہے) قرار دیا ہے، اور سکوت کو "شمشیرِ تو" (تمہاری تلوار) کہا ہے۔ پھر فرمایا: "بااین شمشیر، دشمن را بکش" یعنی اس تلوار سے دشمن (نفس) کو مار ڈالو۔ "وخود را از شر او رھا کن" یعنی اور اپنے آپ کو اس کے شر سے آزاد کر لو۔ آخر میں ایک بہت سخت انتباہ فرمایا: "ھر کہ سکوت را شمشیر خود نسازد، دشمن او را بکشد" یعنی جو سکوت کو اپنی تلوار نہیں بناتا، دشمن (نفس) اسے مار ڈالتا ہے۔ یہاں "مار ڈالنا" سے مراد روحانی طور پر ہلاک کر دینا ہے، یعنی انسان کو اللہ سے دور کر دینا، اسے گناہوں میں ڈبو دینا، اور اسے ہمیشہ کی شقاوت میں مبتلا کر دینا۔ یہ ایک بہت طاقتور اور مؤثر استعارہ ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سکوت اور نفس کے درمیان جنگ ہے، اور اس جنگ میں ہتھیار صرف سکوت ہے۔ جو یہ ہتھیار نہیں رکھتا، وہ نفس کے ہاتھوں مارا جائے گا۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے اپنے مریدین کو یہی تعلیم دی ہے کہ سکوت کو نفس کے خلاف ہتھیار بناؤ۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا روحانی اور تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ سکوت کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ یہ اس کی روحانی بقا کی جنگ میں سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ اس ہتھیار کو استعمال کرنا سیکھے۔

**۲۔ دل کی بیداری**

سکوت کے ذریعے دل کی بیداری اور شعور کی ترقی ہوتی ہے۔ جب زبان خاموش ہوتی ہے تو دل متحرک ہو جاتا ہے۔ یہ دل کی بیداری ہی ہے جو انسان کو حقیقت کی پہچان دلاتی ہے۔ بیدار دل وہ ہے جو حق و باطل میں تمیز کر سکے اور ہر چیز کو اس کی اصل حقیقت میں دیکھ سکے۔

اقبالؒ نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

**«سکوت، دل را بیدار کند و چشمِ بصیرت را روشن. ھر کہ سکوت گزیند، دلش نورانی شود و راز ھا بر او مکشوف گردد. خموشی، شرطِ بینایی است و گفتار، حجابِ دل»**[22]

ترجمہ: "سکوت دل کو بیدار کرتا ہے اور بصیرت کی آنکھ کو روشن۔ جو سکوت اختیار کرتا ہے، اس کا دل نورانی ہو جاتا ہے اور اس پر راز کھل جاتے ہیں۔ خاموشی بینائی کی شرط ہے اور گفتار دل کا پردہ۔"

اقبالؒ نے اس قول میں سکوت کو دل کی بیداری کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ "سکوت، دل را بیدار کند" یعنی سکوت دل کو بیدار کرتا ہے، اسے غفلت کی نیند سے جگاتا ہے۔ "و چشمِ بصیرت را روشن" یعنی اور بصیرت کی آنکھ کو روشن کرتا ہے، جس سے انسان حقائق کو دیکھنے لگتا ہے۔ پھر فرمایا: "ھر کہ سکوت گزیند، دلش نورانی شود" یعنی جو سکوت اختیار کرتا ہے، اس کا دل نورانی (روشن، منور) ہو جاتا ہے۔ "و راز ھا بر او مکشوف گردد" یعنی اور اس پر (خدائی) راز کھل جاتے ہیں۔ آخر میں دو بہت اہم جملے فرمائے: "خموشی، شرطِ بینایی است" یعنی خاموشی بینائی (دیکھنے کی صلاحیت، بصیرت) کی شرط ہے، کیونکہ جب تک زبان بولتی رہے گی، دل کی آنکھ نہیں کھل سکتی۔ "و گفتار، حجابِ دل" یعنی گفتار دل کا پردہ ہے، کیونکہ یہ دل کو ڈھانپ لیتی ہے اور اسے باہر کی طرف پھینک دیتی ہے۔ اقبالؒ نے سکوت کو صرف خاموشی نہیں بلکہ ایک ایسا عمل قرار دیا ہے جو دل کو بیدار کرتا ہے اور اس پر وہ راز کھول دیتا ہے جو باتیں کرنے والوں پر کبھی نہیں کھلتے۔ فوائد الفواد میں اس قسم کی بیداری کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا روحانی اور فکری اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ سکوت اس کی اندرونی آنکھ کھولتا ہے اور اسے وہ کچھ دکھاتا ہے جو عام آنکھوں سے پوشیدہ ہے۔

[22] اقبال، محمد، بال جبریل (لاہور: ادارہ اقبالیات، ۱۹۳۵)، ص ۷۸

مولانا جلال الدین روم نے مثنوی معنوی میں فرمایا:

**«چون زبان خامش شود، دل جھد زجا* بیند اسرارِ خدا بی منتھا»**[23]

ترجمہ: "جب زبان خاموش ہو جاتی ہے تو دل اپنی جگہ سے اچھلتا ہے *اور بے انتہا خدا کے اسرار دیکھتا ہے۔"

مولانا روم نے اس شعر میں سکوت کے اثر کو بہت خوبصورت اور مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ "چون زبان خامش شود" یعنی جب زبان خاموش ہو جاتی ہے "دل جھد زجا" یعنی دل اپنی جگہ سے اچھلتا ہے، یعنی وہ متحرک ہو جاتا ہے، بیدار ہو جاتا ہے، اور اپنی معمول کی حالت سے باہر نکل آتا ہے۔ پھر "بیند اسرارِ خدا بی منتھا" یعنی وہ خدا کے بے انتہا (لا محدود، نہ ختم ہونے والے) اسرار دیکھتا ہے۔ یہاں "بی منتھا" کا لفظ بہت اہم ہے، کیونکہ خدائی اسرار کا کوئی انتہا نہیں ہے۔ جس طرح سمندر کی گہرائی کا کوئی کنارہ نہیں، اسی طرح خدائی اسرار بھی لا محدود ہیں۔ جب زبان خاموش ہوتی ہے تو دل انہیں دیکھنے لگتا ہے۔ رومؒ نے اس شعر میں سکوت کو دل کی بیداری اور خدائی اسرار کے مشاہدے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے اپنے مریدین کو یہی بتایا ہے کہ سکوت ان کے دلوں کو بیدار کرے گا اور ان پر خدائی راز کھل جائیں گے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ سکوت اس کے دل کو بیدار کر سکتا ہے اور اسے وہ اسرار دکھا سکتا ہے جو کبھی کسی کتاب میں نہیں لکھے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف المعارف میں تحریر کیا ہے:

**«القلب اذا سکت اللسان، انتبہ واذا نطق اللسان، غفل. فمن اراد انتباہ قلبہ، فلیسکت لسانہ و من اراد غفلۃ قلبہ، فلیتکلم. واعلم ان انتباہ القلب مفتاح کل خیر»**[24]

ترجمہ: "دل جب زبان خاموش ہوتی ہے تو بیدار ہوتا ہے اور جب زبان بولتی ہے تو غافل ہوتا ہے۔ پس جو اپنے دل کی بیداری چاہتا ہے، وہ اپنی زبان کو خاموش رکھے اور جو اپنے دل کی غفلت چاہتا ہے، وہ بولے۔ اور جان لو کہ دل کی بیداری ہر خیر کی کنجی ہے۔"

شیخ سہروردی نے اس قول میں دل اور زبان کے تعلق کو بہت واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "القلب اذا سکت اللسان، انتبہ" یعنی دل جب زبان خاموش ہوتی ہے تو بیدار ہوتا ہے، کیونکہ زبان کی آواز اور حرکت دل کو پراگندہ کرتی ہے۔ "واذا نطق اللسان، غفل" یعنی اور جب زبان بولتی ہے تو دل غافل ہو جاتا ہے، کیونکہ زبان کی مصروفیت دل کو اپنی طرف سے ہٹا دیتی ہے۔ پھر فرمایا: "فمن اراد انتباہ قلبہ، فلیسکت لسانہ" یعنی جو اپنے دل کی بیداری چاہتا ہے، وہ اپنی زبان کو خاموش رکھے۔ "و من اراد غفلۃ قلبہ، فلیتکلم" یعنی جو اپنے دل کی غفلت چاہتا ہے، وہ بولے۔ آخر میں ایک بہت اہم نکتہ فرمایا: "واعلم ان انتباہ القلب مفتاح کل خیر" یعنی اور جان لو کہ دل کی بیداری ہر خیر (بھلائی، نیکی، روحانی فائدہ) کی کنجی ہے۔ یعنی ساری بھلائیوں کا انحصار دل کی بیداری پر ہے، اور دل کی بیداری کا انحصار سکوت پر ہے۔ یہ قول سکوت کو ساری بھلائیوں کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے یہی تعلیم دی ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا روحانی اور تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ اپنے دل کی بیداری چاہتا ہے (اور یہی وہ چیز ہے جو اسے خیر تک پہنچاتی ہے) تو اسے سکوت اختیار کرنا ہوگا۔

---

[23] مولانا جلال الدین روم، مثنوی معنوی، دفتر دوم، بیت ۱۲۳۴

[24] شیخ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، ص ۲۶۵

**حضوریِ قلب**

حضور قلب سے مراد یہ ہے کہ انسان جب بھی کوئی عمل کرے تو اس کا پورا دل اس عمل میں شامل ہو، نہ کہ اس کے دل میں دوسرے خیالات دوڑ رہے ہوں۔ سکوت کا تعلق حضور قلب سے بہت گہرا ہے، کیونکہ جب زبان خاموش ہوتی ہے تو دل کو اپنے رب کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ملتا ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا:

**«حضور قلب، میوۂ درختِ سکوت است. ھر کہ خواھد کہ دلش در نماز و ذکر حاضر باشد، باید کہ زبان را از فضول باز دارد و دل را از خواطر غیر پاک کند. بی سکوت، حضور میسر نیست»**[25]

ترجمہ: "حضور قلب، سکوت کے درخت کا پھل ہے۔ جو چاہتا ہے کہ اس کا دل نماز اور ذکر میں حاضر رہے، اسے چاہیے کہ زبان کو فضول سے بند رکھے اور دل کو غیر کے خیالات سے پاک کرے۔ سکوت کے بغیر حضور ممکن نہیں۔"

حضرت نظام الدینؒ نے اس قول میں حضور قلب کو سکوت کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ "حضور قلب، میوۂ درختِ سکوت است" یعنی حضور قلب سکوت کے درخت کا پھل ہے، جس طرح پھل درخت کے بغیر نہیں ہو سکتا، اسی طرح حضور قلب سکوت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ پھر فرمایا: "ھر کہ خواھد کہ دلش در نماز و ذکر حاضر باشد" یعنی جو چاہتا ہے کہ اس کا دل نماز اور ذکر (اللہ کی یاد) میں حاضر (متوجہ، بے غفلت) رہے "باید کہ زبان را از فضول باز دارد" یعنی اسے چاہیے کہ زبان کو فضول (بے کار، بے معنی باتوں) سے بند رکھے۔ "و دل را از خواطر غیر پاک کند" یعنی اور دل کو غیر (اللہ کے سوا) کے خیالات سے پاک کرے۔ آخر میں ایک بہت اہم نکتہ فرمایا: "بی سکوت، حضور میسر نیست" یعنی سکوت کے بغیر حضور قلب ممکن نہیں ہے۔ یہ ایک بہت اہم نکتہ ہے کہ بغیر سکوت کے حضور قلب حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ زبان کی فضول گوئی دل کو پراگندہ کر دیتی ہے اور ذکر و نماز میں غفلت پیدا کرتی ہے۔ فوائد الفواد میں یہ قول بار بار مختلف انداز میں آیا ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا روحانی اور تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ اپنی نماز اور ذکر میں حضور قلب چاہتا ہے (جو عبادت کی روح ہے) تو اسے سکوت سیکھنا ہو گا۔

شیخ ابو حامد غزالی نے احیاء العلوم میں تحریر کیا ہے:

**«حضور القلب، ثمرة السکوت و غفلة القلب، ثمرة الکثرة فی الکلام. من کثر کلامہ، کثرت غفلتہ و من قل کلامہ، قلت غفلتہ. فمن اراد حضور القلب، فلیقلل من الکلام»**[26]

ترجمہ: "حضور قلب، سکوت کا پھل ہے اور دل کی غفلت، بہت بولنے کا پھل ہے۔ جس کا بولنا بہت ہوتا ہے، اس کی غفلت بہت ہوتی ہے اور جس کا بولنا کم ہوتا ہے، اس کی غفلت کم ہوتی ہے۔ پس جو حضور قلب چاہتا ہے، وہ بولنا کم کرے۔"

غزالی نے اس قول میں حضور قلب اور سکوت کے تعلق کو بہت واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "حضور القلب، ثمرة السکوت" یعنی حضور قلب سکوت کا پھل ہے۔ "و غفلة القلب، ثمرة الکثرة فی الکلام" یعنی دل کی غفلت بہت بولنے کا پھل ہے۔ پھر ایک اہم اصول بیان کیا: "من کثر کلامہ، کثرت غفلتہ" یعنی جس کا

---

[25] نظام الدین اولیاء، فوائد الفواد، مجلس ۲۵، ص ۱۵۶

[26] شیخ ابو حامد غزالی، احیاء العلوم، جلد سوم، ص ۵۸

بولنا بہت ہوتا ہے، اس کی غفلت بہت ہوتی ہے (کیونکہ بولنے میں دل مصروف ہو جاتا ہے اور اللہ سے غافل ہو جاتا ہے)۔ "ومن قل کلامہ، قلت غفلتہ "یعنی جس کا بولنا کم ہوتا ہے، اس کی غفلت کم ہوتی ہے (کیونکہ خاموشی میں دل کو اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ملتا ہے)۔ آخر میں نتیجہ فرمایا: "فمن اراد حضور القلب، فلیقلل من الکلام "یعنی جو حضور قلب چاہتا ہے، وہ بولنا کم کرے۔ یہ ایک بہت سیدھا اور واضح اصول ہے۔ غزالی نے یہاں یہ نہیں کہا کہ بالکل ہی مت بولو، بلکہ یہ کہ بولنا کم کرو۔ یہی سکوت کا عملی مظہر ہے۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے اپنے مریدین کو یہی تعلیم دی ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا روحانی اور تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس کی عبادات میں حضور قلب کا انحصار اس کی کم گوئی پر ہے۔ جتنا وہ کم بولے گا، اس کی عبادت میں اتنا ہی زیادہ حضور ہو گا۔

خواجہ عبداللہ انصاری نے مناجات نامے میں عرض کیا ہے:

**«الٰهی، مرا چنان کن کہ در نماز و ذکر، دلم حاضر باشد و زبانم از فضول خاموش. بی حضور قلب، عبادت چہ سود؟ و بی سکوت، حضور چہ حاصل؟»**[27]

ترجمہ: "اے معبود! مجھے ایسا کر دے کہ نماز اور ذکر میں میرا دل حاضر رہے اور میری زبان فضول سے خاموش رہے۔ حضور قلب کے بغیر عبادت کا کیا فائدہ؟ اور سکوت کے بغیر حضور کیسے حاصل ہو؟"

یہ خواجہ انصاری کی ایک نہایت پُر درد اور عاجزانہ مناجات ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ "مرا چنان کن کہ در نماز و ذکر، دلم حاضر باشد "یعنی مجھے ایسا کر دے کہ نماز اور ذکر میں میرا دل حاضر (متوجہ، بے غفلت) رہے۔ "وزبانم از فضول خاموش "یعنی اور میری زبان فضول باتوں سے خاموش رہے۔ پھر وہ دو سوال پوچھتے ہیں: "بی حضور قلب، عبادت چہ سود؟ "یعنی حضور قلب کے بغیر عبادت کا کیا فائدہ؟ کیونکہ حدیث میں ہے کہ "انما لکل امری ءمانوی "(ہر شخص کو اسی کی نیت کے مطابق ملے گا)، اور نیت اور حضور کے بغیر عبادت صرف ایک بے روح رسم ہے۔ اور "و بی سکوت، حضور چہ حاصل؟ "یعنی اور سکوت کے بغیر حضور کیسے حاصل ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں حاصل ہو سکتا۔ یہ مناجات سکوت اور حضور قلب کے لازم و ملزوم ہونے کو ظاہر کرتی ہے۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے اپنے مریدین کو یہی تعلیم دی ہے کہ سکوت کے بغیر حضور قلب نہیں، اور حضور قلب کے بغیر عبادت بے روح ہے۔ قاری کے لیے اس مناجات کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ سکوت اس کی عبادات کو زندہ کر سکتا ہے اور انہیں حضور قلب کی دولت سے مالا مال کر سکتا ہے۔

**روحانی اثرات**

سکوت کے مجموعی روحانی اثرات بے شمار ہیں۔ یہ دل کو صفائی دیتا ہے، روح کو بلندی بخشتا ہے، اور انسان کو اس کے خالق سے قریب کر دیتا ہے۔ سکوت کے ذریعے انسان دنیاوی مشغلوں سے نکل کر روحانی دنیا میں سفر کرنے لگتا ہے۔

مولانا جلال الدین روم نے مثنوی میں فرمایا ہے:

**«سکوت، جان را صفا بخشد چو آب * وز صفای جان، شود جان مستطاب»**[28]

ترجمہ: "سکوت جان کو صفائی دیتا ہے جیسے پانی * اور جان کی صفائی سے جان پسندیدہ بن جاتی ہے"

---

[27] خواجہ عبداللہ انصاری، مناجات نامہ، مناجات دوازدھم

[28] مولانا جلال الدین روم، مثنوی معنوی، دفتر سوم، ابیات ۱۲۳۵-۱۲۳۴

مولانا روم نے اس شعر میں سکوت کے روحانی اثرات کو پانی کی مثال سے واضح کیا ہے۔ "سکوت، جان را صفا بخشد چو آب" یعنی سکوت جان کو صفائی دیتا ہے جیسے پانی کسی چیز کو صاف کر دیتا ہے۔ جس طرح پانی گندگی کو دھو ڈالتا ہے، اسی طرح سکوت روح کی آلودگیوں (جیسے غفلت، غرور، حسد، وغیرہ) کو دھو ڈالتا ہے۔ "وز صفای جان، شود جان مستطاب" یعنی اور جان کی صفائی سے جان "مستطاب" (پسندیدہ، پاکیزہ، قابل تعریف) بن جاتی ہے۔ جب جان صاف ہو جاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسندیدہ ہو جاتی ہے۔ یہی سکوت کا سب سے بڑا روحانی اثر ہے کہ یہ انسان کو اللہ کا مقرب اور محبوب بنا دیتا ہے۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے یہی تعلیم دی ہے۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ سکوت اس کی روح کو اس قابل بنا سکتا ہے کہ اللہ اسے پسند کرنے لگے۔

شیخ ابوالحسن خرقانی نے نور العلوم میں فرمایا:

**«سکوت، مفتاحُ القلوب است والقلوب المفتوحة، مرایاالاسرار. هر که خواهد که دلش مفتوح گردد، باید سکوت پیشه کند. وسکوت، کلیدُالسعادة است والسعادة، غایةُالمطلوب»**[29]

ترجمہ: "سکوت، دلوں کی کنجی ہے اور کھلے ہوئے دل، اسرار کے آئینے ہیں۔ جو چاہتا ہے کہ اس کا دل کھل جائے، اسے چاہیے کہ سکوت کو اپنا پیشہ بنا لے۔ اور سکوت، سعادت کی کنجی ہے اور سعادت، مقصود کی انتہا ہے۔"

شیخ خرقانی نے اس قول میں سکوت کے روحانی اثرات کو بہت بلند الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "سکوت، مفتاحُ القلوب است" یعنی سکوت دلوں کی کنجی ہے، جس طرح بغیر کنجی کے تالا نہیں کھلتا، اسی طرح بغیر سکوت کے دل کا تالا نہیں کھلتا۔ "والقلوب المفتوحة، مرایاالاسرار" یعنی اور کھلے ہوئے دل (وہ دل جن کا تالا کھل چکا ہے) اسرار کے آئینے ہوتے ہیں، جیسے آئینہ کسی چیز کی تصویر منعکس کرتا ہے، اسی طرح کھلا دل خدائی اسرار کو منعکس کرتا ہے۔ پھر فرمایا: "هر که خواهد که دلش مفتوح گردد، باید سکوت پیشه کند" یعنی جو چاہتا ہے کہ اس کا دل کھل جائے، اسے چاہیے کہ سکوت کو اپنا پیشہ بنا لے۔ اور پھر ایک اور بہت بڑی بات فرمائی: "وسکوت، کلیدُالسعادة است" یعنی اور سکوت سعادت (حقیقی کامیابی، خوش بختی، نجات) کی کنجی ہے۔ "والسعادة، غایةُالمطلوب" یعنی اور سعادت مقصود (انسان کے تمام مقاصد اور آرزوؤں) کی انتہا ہے۔ یعنی انسان کا سب سے بڑا مقصد سعادت ہے، اور سعادت کی کنجی سکوت ہے۔ یہ قول سکوت کو سعادت تک پہنچنے کا واحد راستہ قرار دیتا ہے۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے اپنے مریدین کو یہی بتایا ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ حقیقی کامیابی اور سعادت چاہتا ہے، تو اسے سکوت سیکھنا ہوگا۔

[29] شیخ ابوالحسن خرقانی، نور العلوم، ص ۹۳

شیخ روزبان بقلی نے شرح شطیات میں تحریر کیا ہے:

**«سکوت، مرکبُ العارفین است والعارفون به این مرکب به خدا می رسند. هر که سکوت را مرکب خود سازد، در یک نفس به ملکوت رسد و هر که مرکب سخن گزیند، در راه بماند»**[30]

ترجمہ: "سکوت، عارفین کی سواری ہے اور عارفین اسی سواری سے خدا تک پہنچتے ہیں۔ جو سکوت کو اپنی سواری بناتا ہے، وہ ایک سانس میں ملکوت تک پہنچ جاتا ہے اور جو گفتار کی سواری اختیار کرتا ہے، وہ راستے میں ہی رہ جاتا ہے۔"

شیخ روزبان نے اس قول میں بہت خوبصورت اور مؤثر استعارہ استعمال کیا ہے۔ انہوں نے سکوت کو "مرکبُ العارفین" (عارفین کی سواری) قرار دیا ہے۔ جس طرح مسافر سواری پر سوار ہو کر جلدی منزل تک پہنچ جاتا ہے، اسی طرح عارفین سکوت کی سواری پر سوار ہو کر جلدی خدا تک پہنچ جاتے ہیں۔ "و العارفون به این مرکب به خدا می رسند" یعنی اور عارفین اسی سواری کے ذریعے خدا تک پہنچتے ہیں۔ پھر فرمایا: "هر که سکوت را مرکب خود سازد" یعنی جو سکوت کو اپنی سواری بناتا ہے "در یک نفس به ملکوت رسد" یعنی وہ ایک سانس میں (بہت جلد، بغیر کسی رکاوٹ کے) ملکوت (غیبی اور روحانی عالم) تک پہنچ جاتا ہے۔ "و هر که مرکب سخن گزیند" یعنی اور جو گفتار (بولنے) کی سواری اختیار کرتا ہے "در راه بماند" یعنی وہ راستے میں ہی رہ جاتا ہے، منزل تک نہیں پہنچ پاتا۔ یہ ایک بہت طاقتور استعارہ ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سکوت روحانی سفر کی تیز ترین سواری ہے، جبکہ گفتار ایک بوجھل اور سست سواری ہے جو انسان کو منزل تک نہیں پہنچنے دیتی۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے اپنے مریدین کو یہی تعلیم دی ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ سکوت اسے روحانی منزلیں تیزی سے طے کرنے کی طاقت دیتا ہے، جبکہ گفتار اسے روک دیتی ہے۔

**مبحث سوم: سکوت اور ابلاغ کا اسلوب**

اس مبحث میں ہم سکوت کے اس منفرد پہلو کا جائزہ لیں گے جو اسے ابلاغ (communication) کا ایک طاقتور ذریعہ بناتا ہے۔ صوفیاء نے خاموشی کو الفاظ سے زیادہ مؤثر پایا، اور انہوں نے اسے اپنی تعلیمات میں بھی استعمال کیا۔ سکوت بطور ابلاغ، سوال و جواب میں سکوت، معنی کی گہرائی، اور مخاطب پر اثر جیسے موضوعات اس مبحث میں شامل ہیں۔

**خاموشی بطور ابلاغ**

سکوت صرف خاموشی کا نام نہیں بلکہ یہ ایک طاقتور ذریعۂ ابلاغ بھی ہے۔ بعض اوقات خاموشی الفاظ سے زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ صوفیاء نے اس حقیقت کو خوب سمجھا اور اپنی تعلیمات میں خاموشی کو ابلاغ کے ایک مؤثر ذریعے کے طور پر استعمال کیا۔

[30] شیخ روزبان بقلی، شرح شطیات، تصحیح ہنری کوربن (تہران: طہوری، ۱۳۶۰ش)، ص ۱۹۲

خواجہ عبداللہ انصاری نے مناجات نامے میں عرض کیا ہے:

**«خاموشی من، فریادِ من است و سکوتِ من، گفتارِ من. الٰهی، تو می دانی که دلِ من چه می گوید، اگرچه زبان خاموش است. و تو می شناسی که سکوتِ من فصیح تر از گفتار دیگران است»**[31]

ترجمہ: "میری خاموشی میری فریاد ہے اور میرا سکوت میری گفتار۔ اے معبود، تو جانتا ہے کہ میرا دل کیا کہتا ہے، اگرچہ زبان خاموش ہے۔ اور تو پہچانتا ہے کہ میرا سکوت دوسروں کی گفتار سے زیادہ فصیح ہے۔"

یہ خواجہ انصاری کی ایک نہایت گہری اور پُر درد مناجات ہے۔ انہوں نے فرمایا: "خاموشی من، فریادِ من است" یعنی میری خاموشی میری فریاد ہے، اس میں ایک چیخ ہے، ایک پکار ہے۔ "و سکوتِ من، گفتارِ من" یعنی اور میرا سکوت میری گفتار ہے، اس میں بولنے کی طاقت ہے۔ پھر اللہ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں: "الٰهی، تو می دانی که دلِ من چه می گوید، اگرچه زبان خاموش است" یعنی اے معبود، تو جانتا ہے کہ میرا دل کیا کہتا ہے، اگرچہ میری زبان خاموش ہے۔ یعنی ظاہری زبان بند ہے لیکن دل کی زبان بول رہی ہے، اور تو اسے سن رہا ہے۔ آخر میں ایک بہت بڑا دعویٰ فرمایا: "و تو می شناسی که سکوتِ من فصیح تر از گفتار دیگران است" یعنی اور تو پہچانتا ہے کہ میرا سکوت دوسروں کی گفتار سے زیادہ فصیح (واضح، مؤثر، بلیغ) ہے۔ یہ سکوت کی ابلاغی طاقت کا اعتراف ہے۔ سکوت میں وہ فصاحت اور بلاغت ہوتی ہے جو الفاظ میں نہیں ہوتی۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے سکوت کو اسی طرح ابلاغ کا ذریعہ بنایا۔ قاری کے لیے اس مناجات کا سب سے بڑا فکری اور روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ سکوت کوئی خالی پن نہیں بلکہ ایک بھرا ہوا اور بامعنی کیفیت ہے، اور یہ الفاظ سے بھی زیادہ مؤثر ہو سکتا ہے۔

شیخ سعدی شیرازی نے گلستان میں تحریر کیا ہے:

**«سکوتِ عارف، گفتارِ اوست و گفتارِ جاهل، خاموشیِ او. چه بسا خاموشی که از هزار سخن گویا تر است و چه بسا سخن که از خاموشی بتر است»**[32]

ترجمہ: "عارف کی خاموشی اس کی گفتار ہے اور جاہل کی گفتار اس کی خاموشی۔ کتنی ہی خاموشی ہے جو ہزار باتوں سے زیادہ گویا ہے اور کتنی ہی بات ہے جو خاموشی سے زیادہ بری ہے۔"

سعدی نے اس قول میں ایک بہت اہم فرق بیان کیا ہے۔ "سکوتِ عارف، گفتارِ اوست" یعنی عارف (خدا شناس، صوفی) کی خاموشی ہی اس کی گفتار ہے، کیونکہ اس کی خاموشی میں اتنا کچھ ہے کہ وہ بولنے کی ضرورت نہیں رکھتا۔ "و گفتارِ جاهل، خاموشیِ او" یعنی جاہل کی گفتار اس کی خاموشی ہے، کیونکہ اس کی باتیں اتنی بے معنی اور بے اثر ہوتی ہیں کہ بہتر تھا کہ وہ خاموش رہتا۔ پھر فرمایا: "چه بسا خاموشی که از هزار سخن گویا تر است" یعنی کتنی ہی خاموشی ہے جو ہزار باتوں سے زیادہ گویا (بلیغ، مؤثر) ہے۔ "و چه بسا سخن که از خاموشی بتر است" یعنی اور کتنی ہی بات ہے جو خاموشی سے زیادہ بری (نقصان دہ) ہے۔ یہ قول سکوت کو ابلاغ کا ایک اعلیٰ ذریعہ قرار دیتا ہے، اور بتاتا ہے کہ بعض اوقات خاموشی بولنے سے بہتر ہوتی ہے۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے اپنے مریدین کو یہی تعلیم

---

[31] خواجہ عبداللہ انصاری، مناجات نامہ، مناجات نہم

[32] شیخ سعدی شیرازی، گلستان، باب دوم، حکایت نمبر ۵، ص ۸۹

دی ہے کہ بعض اوقات خاموشی ہی بہترین جواب ہوتی ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا ابلاغی اور تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ خاموشی بھی ایک فن ہے، اور اسے سیکھنا چاہیے کہ کب خاموشی بولنے سے زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔

امیر حسن سجزی نے فوائد الفواد کی ایک مجلس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

**«روزی شخصی از شیخ سوالی کرد و شیخ در پاسخ، ساعتی خاموش ماند. آن شخص، جواب از همان خاموشی فهمید و گفت: مرا همین بس است. شیخ تبسمی کرد و فرمود: خاموشیِ عارف، بیانِ اوست و سکوتِ او، فصاحتِ او»**[33]

ترجمہ: "ایک دن ایک شخص نے شیخ سے سوال کیا اور شیخ نے جواب میں ایک گھنٹہ خاموش رہے۔ اس شخص نے جواب اسی خاموشی سے سمجھ لیا اور کہا: مجھے یہی کافی ہے۔ شیخ نے مسکرا کر فرمایا: عارف کی خاموشی اس کا بیان ہے اور اس کا سکوت اس کی فصاحت ہے۔"

یہ ایک بہت اہم واقعہ ہے جو فوائد الفواد میں درج ہے۔ ایک شخص نے حضرت نظام الدینؒ سے کوئی سوال کیا۔ شیخ نے فوری جواب دینے کی بجائے "ساعتی خاموش ماند" یعنی ایک گھنٹہ خاموش رہے۔ یہ توقف تھا، لیکن یہ محض توقف نہیں تھا بلکہ ایک بامعنی خاموشی تھی۔ "آن شخص، جواب از همان خاموشی فهمید" یعنی اس شخص نے جواب اسی خاموشی سے سمجھ لیا۔ اسے سمجھ آ گیا کہ شیخ کی خاموشی کا کیا مطلب ہے، اور اس نے کہا: "مرا همین بس است" یعنی مجھے یہی کافی ہے۔ پھر "شیخ تبسمی کرد" یعنی شیخ نے مسکرا کر (یعنی خوش ہو کر کہ سائل نے سمجھ لیا) فرمایا: "خاموشیِ عارف، بیانِ اوست" یعنی عارف کی خاموشی ہی اس کا بیان ہے، وہ بغیر الفاظ کے اپنی بات کہہ دیتا ہے۔ "و سکوتِ او، فصاحتِ او" یعنی اور اس کا سکوت ہی اس کی فصاحت (واضح اور مؤثر انداز میں بات کہنے کی صلاحیت) ہے۔ یہ واقعہ سکوت کی ابلاغی طاقت کی بہترین مثال ہے۔ جب سائل کے پاس سوال تھا تو شیخ نے الفاظ میں جواب دینے کی بجائے خاموشی اختیار کی، اور سائل نے اس خاموشی سے وہ کچھ سمجھ لیا جو شاید الفاظ میں نہ سمجھ پاتا۔ فوائد الفواد میں ایسے واقعات کثرت سے ملتے ہیں۔ قاری کے لیے اس واقعہ کا سب سے بڑا ابلاغی اور تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ بعض اوقات خاموشی الفاظ سے زیادہ مؤثر ہوتی ہے، اور اسے چاہیے کہ وہ اپنی خاموشی کو بھی ایک ذریعہ ابلاغ بنانا سیکھے۔

**سوال و جواب میں سکوت**

فوائد الفواد میں سکوت کا ایک منفرد اسلوب سوال کے جواب میں سکوت یا توقف ہے۔ حضرت نظام الدینؒ اکثر کسی سوال کے جواب میں خاموش رہتے تھے، اور یہ خاموشی خود ایک جواب ہوتی تھی۔ یہ اس لیے کہ بعض سوالات کا جواب الفاظ میں نہیں دیا جا سکتا۔

شیخ ابو سعید ابی الخیر نے اسرار التوحید میں فرمایا:

**«پاسخِ سوال، گاهی به زبان است و گاهی به سکوت. سکوت، پاسخِ عارفان است و گفتار، پاسخِ عامیان. هر که سکوت را پاسخ گوید، او از رازها آگاه است»**[34]

ترجمہ: "سوال کا جواب کبھی زبان سے ہوتا ہے اور کبھی سکوت سے۔ سکوت، عارفان کا جواب ہے اور گفتار، عامیان کا جواب۔ جو سکوت کو جواب بناتا ہے، وہ رازوں سے آگاہ ہے۔"

---

[33] امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، مجلس ۳۴، ص ۲۰۸

[34] شیخ ابو سعید ابی الخیر، اسرار التوحید، ص ۱۷۰

شیخ ابو سعید نے اس قول میں جواب دینے کے دو طریقے بتائے ہیں: زبانی اور سکوتی۔ "پاسخِ سوال، گاھی بہ زبان است و گاھی بہ سکوت "یعنی سوال کا جواب کبھی زبان سے ہوتا ہے اور کبھی سکوت سے۔ پھر فرمایا: "سکوت، پاسخِ عارفان است "یعنی سکوت عارفان (خدا شناسوں) کا جواب ہے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ بعض سوالات کا جواب الفاظ میں نہیں دیا جا سکتا، اس لیے وہ خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ "و گفتار، پاسخِ عامیان "یعنی گفتار عام لوگوں کا جواب ہے، جو ہر سوال کا جواب الفاظ میں دینا چاہتے ہیں چاہے وہ جواب غلط ہی کیوں نہ ہو۔ آخر میں فرمایا: "ھر کہ سکوت را پاسخ گوید، او از رازھا آگاہ است "یعنی جو سکوت کو جواب بناتا ہے، وہ رازوں سے آگاہ ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کب خاموش رہنا ہے۔ یہ قول سکوت کو ایک اعلیٰ قسم کے علم اور عرفان کی علامت قرار دیتا ہے۔ فوائد الفواد میں حضرت نظام الدینؒ نے اسی اصول پر عمل کیا ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا فکری اور تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں ہے، اور بعض اوقات خاموش رہنا ہی بہترین جواب ہوتا ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا:

**«بعض سوالھا را جواب، سکوت است و سکوت، از گفتار فصیح تر. مرید را چنان باید کہ از سکوتِ من جواب فھمد، چنانکہ از گفتارِ من. و آنکہ نتواند فھمید، او را از سلوک بھرہ ای نیست»**[35]

ترجمہ: "بعض سوالوں کا جواب سکوت ہے اور سکوت، فصیح گفتار سے بھی زیادہ فصیح ہے۔ مرید کو چاہیے کہ وہ میرے سکوت سے جواب سمجھ لے، جیسے میرے گفتار سے۔ اور جو نہیں سمجھ سکتا، اسے سلوک سے کوئی حصہ نہیں۔"

یہ قول خود حضرت نظام الدینؒ کا ہے اور یہ سکوت کو ابلاغ اور سوال و جواب کے تناظر میں بہت بلند مقام عطا کرتا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "بعض سوالھا را جواب، سکوت است "یعنی بعض سوالوں کا جواب سکوت ہوتا ہے، الفاظ نہیں۔ "و سکوت، از گفتار فصیح تر "یعنی اور سکوت فصیح گفتار (بلیغ اور مؤثر تقریر) سے بھی زیادہ فصیح ہوتا ہے، کیونکہ اس میں وہ گہرائی اور تاثیر ہوتی ہے جو الفاظ میں نہیں ہوتی۔ پھر فرمایا: "مرید را چنان باید کہ از سکوتِ من جواب فھمد، چنانکہ از گفتارِ من "یعنی مرید کو چاہیے کہ وہ میرے سکوت سے جواب سمجھ لے، جس طرح وہ میرے گفتار سے سمجھتا ہے۔ یعنی مرید کی تربیت کا مقصد یہ ہے کہ وہ اتنا حساس اور بیدار ہو جائے کہ وہ سکوت کی زبان بھی سمجھ سکے۔ آخر میں ایک بہت سخت بات فرمائی: "و آنکہ نتواند فھمید، او را از سلوک بھرہ ای نیست "یعنی اور جو (میرا سکوت) نہیں سمجھ سکتا، اسے سلوک (روحانی راہ) سے کوئی حصہ نہیں، کیونکہ سلوک کی ایک اہم منزل یہ ہے کہ انسان خاموشی کی زبان سیکھ لے۔ یہ قول سکوت کو سلوک کی ایک لازمی شرط قرار دیتا ہے۔ فوائد الفواد میں یہ قول مریدین کے لیے ایک اہم رہنما اصول ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ سکوت کی زبان سیکھنا سلوک کا حصہ ہے، اور اگر وہ یہ زبان نہیں سیکھ سکتا تو وہ روحانی ترقی سے محروم رہے گا۔

### معنی کی گہرائی

سکوت کے ذریعے معانی کی گہرائی پیدا ہوتی ہے۔ جب کوئی بات بہت زیادہ کہہ دی جائے تو اس کی گہرائی کم ہو جاتی ہے، لیکن جب بات مختصر اور اشاروں میں کہی جائے تو اس میں معنی کی گہرائی بڑھ جاتی ہے۔ سکوت اس گہرائی کو مزید بڑھا دیتا ہے۔

[35] نظام الدین اولیاء، فوائد الفواد، مجلس ۴۱، ص ۲۵۶

حافظ شیرازی نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

**«سخنِ کوتاہ کہ باسکوت ھمراہ بود، عمقی دارد کہ سخنِ دراز از آن بی بھرہ است. واشارتی کہ باخاموشی باشد، فصاحتی دارد کہ ھزار کتاب از آن عاجز است»**[36]

ترجمہ: "مختصر بات جو سکوت کے ساتھ ہو، اس میں وہ گہرائی ہوتی ہے جس سے لمبی بات بے بہرہ ہے۔ اور اشارہ جو خاموشی کے ساتھ ہو، اس میں وہ فصاحت ہوتی ہے جس سے ہزار کتابیں عاجز ہیں۔"

حافظ نے اس قول میں سکوت اور معنی کی گہرائی کے تعلق کو بڑے خوبصورت الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "سخنِ کوتاہ کہ باسکوت ھمراہ بود" یعنی مختصر بات جو سکوت کے ساتھ ہو (یعنی جس سے پہلے یا بعد میں سکوت ہو، یا جس کے اندر سکوت کی کیفیت ہو) "عمقی دارد کہ سخنِ دراز از آن بی بھرہ است" یعنی اس میں وہ گہرائی ہوتی ہے جس سے لمبی بات محروم ہوتی ہے۔ پھر ایک اور بہت اہم نکتہ فرمایا: "واشارتی کہ باخاموشی باشد" یعنی اور اشارہ (علامت، کنایہ، رمز) جو خاموشی کے ساتھ ہو "فصاحتی دارد کہ ھزار کتاب از آن عاجز است" یعنی اس میں وہ فصاحت ہوتی ہے جس سے ہزار کتابیں عاجز ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی ایک چھوٹا سا اشارہ، ایک معمولی سی خاموشی، اتنا کچھ کہہ جاتی ہے کہ ہزاروں کتابیں نہیں کہہ سکتیں۔ یہ وہی حقیقت ہے جسے صوفیاء "اشارہ" اور "رمز" کہتے ہیں۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے کئی بار اشاروں اور کنایوں میں باتیں فرمائی ہیں۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا فکری اور ادبی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ سکوت اور خاموشی معنی کی گہرائی کو بڑھاتی ہے، اور وہ الفاظ سے زیادہ کہہ سکتی ہے۔

مولانا جلال الدین روم نے مثنوی معنوی میں فرمایا:

**«در سخن، اندر خمش، صد بحر نیست * وآن خمش، بہ ز سخن، ای دوست، بیست»**[37]

ترجمہ: "گفتار میں وہ کچھ نہیں جو خاموشی میں ہے، سو دریا* اور وہ خاموشی گفتار سے بہتر ہے، اے دوست، بیس گنا۔"

مولانا روم نے اس شعر میں ایک بہت خوبصورت اور بلیغ انداز میں سکوت کی برتری کو بیان کیا ہے۔ "در سخن، اندر خمش، صد بحر نیست" یعنی گفتار میں وہ کچھ نہیں جو خاموشی میں ہے، سو دریا۔ یہاں "صد بحر" (سو دریا) سے مراد بہت زیادہ گہرائی اور وسعت ہے۔ یعنی خاموشی میں اتنی گہرائی اور وسعت ہے کہ سو دریا اس میں سما سکتے ہیں، جبکہ گفتار اس سے بہت کم ہے۔ "وآن خمش، بہ ز سخن، ای دوست، بیست" یعنی اور وہ خاموشی گفتار سے بہتر ہے، اے دوست، بیس گنا۔ "بیست" (بیس) سے مراد کئی گنا زیادہ ہے، یعنی خاموشی گفتار سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ رومؒ نے یہاں عدد (سو، بیس) کو مختلف کثرت کے لیے استعمال کیا ہے، حقیقی تعداد کے لیے نہیں۔ اس شعر کا مقصد یہ ہے کہ خاموشی میں معنی کی جو گہرائی ہے وہ گفتار میں نہیں، اور خاموشی گفتار سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے اپنے مریدین کو یہی بتایا ہے کہ سکوت کی اپنی ایک گہرائی ہے جو الفاظ میں نہیں آسکتی۔ قاری کے لیے اس شعر کا سب سے بڑا فکری اور ادبی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ خاموشی کوئی خالی پن نہیں بلکہ ایک بھرا ہوا سمندر ہے، اور وہ اس سمندر میں غوطہ لگا کر بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے۔

---

[36] حافظ شیرازی، دیوان حافظ، غزل نمبر ۲۷۸

[37] مولانا جلال الدین روم، مثنوی معنوی، دفتر پنجم، بیت ۲۳۴

**مخاطب پر اثر**

سکوت کا مخاطب یا سامع پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص خاموش ہو کر کسی کی بات سنتا ہے تو اس سے سامع کو احترام اور توجہ کا احساس ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص بولنے میں جلدی کرتا ہے، وہ سامع کو بے عزتی کا احساس دلاتا ہے۔

شیخ سعدی شیرازی نے گلستان میں تحریر کیا ہے:

**«سکوتِ مستمع، علامتِ فہم است و بی صبریِ او، دلیلِ جہل. ھر کہ نیکو گوش دھد، نیکو سخن گوید و ھر کہ در سخن دیگران ننگرد، در سخن خود نیز نتواند نگریست»**[38]

ترجمہ: "سننے والے کی خاموشی سمجھ کی علامت ہے اور اس کی بے صبری جہالت کی دلیل۔ جو اچھی طرح سنتا ہے، وہ اچھی بات کرتا ہے اور جو دوسروں کی بات نہیں سنتا، وہ اپنی بات بھی نہیں سن سکتا۔"

سعدی نے اس قول میں سکوت کے اثر کو بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "سکوتِ مستمع، علامتِ فہم است" یعنی سننے والے کی خاموشی (یعنی اس کا بغیر کچھ کہے توجہ سے سننا) سمجھ کی علامت ہے، کیونکہ وہ سمجھ رہا ہے اس لیے وہ خاموش ہے۔ "و بی صبریِ او، دلیلِ جہل" یعنی اور سننے والے کی بے صبری (یعنی جلدی میں بولنے کی کوشش کرنا، یا بار بار ٹوکنا) جہالت کی دلیل ہے، کیونکہ وہ نہیں سمجھ رہا اس لیے وہ بے صبر ہو رہا ہے۔ پھر فرمایا: "ھر کہ نیکو گوش دھد، نیکو سخن گوید" یعنی جو اچھی طرح سنتا ہے (یعنی خاموشی سے توجہ سے سنتا ہے)، وہ اچھی بات کرتا ہے (کیونکہ سننے سے اس کے پاس مواد آتا ہے اور وہ سوچ سمجھ کر بولتا ہے)۔ "و ھر کہ در سخن دیگران ننگرد، در سخن خود نیز نتواند نگریست" یعنی اور جو دوسروں کی بات نہیں سنتا (یعنی انہیں ٹوکتا ہے یا ان کی طرف توجہ نہیں دیتا)، وہ اپنی بات بھی نہیں سن سکتا (یعنی وہ خود اپنی باتوں پر غور نہیں کر سکتا، کیونکہ اسے سننے کی عادت ہی نہیں)۔ یہ قول سکوت (بطور سننے والے) کو سمجھ، اچھی گفتار، اور خود شناسی کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے اپنے مریدین کو یہی تعلیم دی ہے کہ وہ خاموشی سے سنیں، تبھی وہ سمجھ سکیں گے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا تربیتی اور اخلاقی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ سکوت صرف اپنی زبان بند کرنے کا نام نہیں بلکہ دوسروں کی بات خاموشی سے سننے کا نام بھی ہے، اور یہ سننا ہی اسے اچھا بولنے والا بنا سکتا ہے۔

خواجہ عبداللہ انصاری نے کشف الاسرار میں فرمایا:

**«سکوت در مقام استماع، نصف ادب است و نصف دیگر، فھمیدن. ھر کہ خاموش ننشیند، نشنود و ھر کہ نشنود، نفھمد و ھر کہ نفھمد، نگوید»**[39]

ترجمہ: "سننے کے مقام میں سکوت، آدھا ادب ہے اور آدھا دوسرا سمجھنا ہے۔ جو خاموش نہیں بیٹھتا، وہ سنتا نہیں اور جو سنتا نہیں، وہ سمجھتا نہیں اور جو سمجھتا نہیں، وہ کہتا نہیں (یعنی اچھی بات نہیں کہہ سکتا)۔"

خواجہ انصاری نے اس قول میں سننے کے مقام میں سکوت کی اہمیت کو بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "سکوت در مقام استماع، نصف ادب است" یعنی جب کوئی سننے والا ہو تو اس کا خاموش رہنا آدھا ادب ہے، کیونکہ وہ بولنے والے کی بے عزتی نہیں کر رہا اور اسے پوری توجہ دے رہا ہے۔ "و نصف دیگر،

[38] شیخ سعدی شیرازی، گلستان، باب اول، حکایت نمبر ۱۵، ص ۵۲

[39] خواجہ عبداللہ انصاری، کشف الاسرار، جلد اول، ص ۲۴۰

فہمیدن "یعنی اور آدھا دوسرا ادب یہ ہے کہ وہ جو سن رہا ہے اسے سمجھے۔ پھر ایک سلسلہ بیان کیا: "ھر کہ خاموش ننشیند، نشنود "یعنی جو خاموش نہیں بیٹھتا (یعنی بولتا رہتا ہے یا بے چینی کرتا ہے)، وہ سنتا نہیں (کیونکہ اس کی توجہ بٹی رہتی ہے)۔ "وھر کہ نشنود، نفھمد "یعنی اور جو سنتا نہیں، وہ سمجھتا نہیں۔ "وھر کہ نفھمد، نگوید "یعنی اور جو سمجھتا نہیں، وہ (اچھی) بات نہیں کہہ سکتا۔ یہ سلسلہ سکوت (بطور سننے والے) کو سمجھ اور اچھی گفتار کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے اپنے مریدین کو یہی تعلیم دی ہے کہ پہلے خاموشی سے سنو، پھر سمجھو، پھر بولو۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اچھی گفتار کا راز اچھی طرح سننا ہے، اور اچھی طرح سننے کا راز خاموش رہنا ہے۔

### مبحث چہارم: سکوت کے تربیتی و فکری نتائج

اس مبحث میں ہم سکوت کے ان مجموعی نتائج کا جائزہ لیں گے جو فکری اور تربیتی سطح پر ظاہر ہوتے ہیں۔ ان میں فکری پختگی، روحانی ارتقاء، اخلاقی تربیت، اور دیگر بے شمار اثرات شامل ہیں۔ یہ وہ پھل ہیں جو سکوت کے درخت سے حاصل ہوتے ہیں۔

### فکری پختگی

سکوت کے ذریعے فکر کی پختگی اور گہرائی پیدا ہوتی ہے۔ جو شخص کم بولتا ہے، وہ زیادہ سوچتا ہے۔ اس کا ذہن مسلسل غور و فکر میں لگا رہتا ہے جس سے اس کی فکری صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر دانشور اور صوفیاء کم گو ہوتے تھے۔

اقبالؒ نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

**«سکوت، فکر را پختگی بخشد و اندیشہ را عمق. ھر کہ در سکوت نشیند، فکرش بارور شود و گفتارش گھربار. خموشی، مزرعۂ فکر است و گفتار، دروِ آن»**[40]

ترجمہ: "سکوت فکر کو پختگی بخشتا ہے اور سوچ کو گہرائی۔ جو سکوت میں بیٹھتا ہے، اس کی فکر بارور ہو جاتی ہے اور اس کی گفتار گوہر بار۔ خاموشی فکر کی کھیتی ہے اور گفتار اس کی کٹائی۔"

اقبالؒ نے اس قول میں سکوت کو فکری پختگی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ "سکوت، فکر را پختگی بخشد "یعنی سکوت فکر کو پختگی (پکا پن، گہرائی، تکمیل) بخشتا ہے۔ "واندیشہ را عمق "یعنی اور سوچ کو گہرائی دیتا ہے۔ پھر فرمایا: "ھر کہ در سکوت نشیند، فکرش بارور شود "یعنی جو سکوت میں بیٹھتا ہے (یعنی خاموش ہو کر غور کرتا ہے)، اس کی فکر بارور (پھل دار، نتیجہ خیز) ہو جاتی ہے۔ "وگفتارش گھربار "یعنی اور اس کی گفتار گوہر بار (موتیوں سے بھری ہوئی، قیمتی) ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ سوچ سمجھ کر بولتا ہے۔ آخر میں ایک بہت خوبصورت استعارہ فرمایا: "خموشی، مزرعۂ فکر است "یعنی خاموشی فکر کی کھیتی (کھیت، مزرعہ) ہے، جہاں فکر کے بیج بوئے جاتے ہیں اور پروان چڑھتے ہیں۔ "وگفتار، دروِ آن "یعنی اور گفتار اس کھیتی کی کٹائی (فصل کاٹنے) ہے۔ جس طرح کھیتی کو پہلے بونا اور پالنا پڑتا ہے پھر کاٹنا، اسی طرح فکر کو پہلے خاموشی میں پروان چڑھانا پڑتا ہے، پھر اسے گفتار میں کاٹا جا سکتا ہے۔ یہ قول سکوت کو فکری نشوونما کا بنیادی ذریعہ قرار دیتا ہے۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے اپنے مریدین کو یہی تعلیم دی ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا فکری اور تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ واقعی ایک دانشور اور صاحبِ فکر انسان بننا چاہتا ہے، تو اسے سکوت سیکھنا ہوگا۔ اسے چاہیے کہ وہ خاموشی میں بیٹھ کر اپنی فکر کو کھیتی کی طرح پروان چڑھائے، تبھی اس کی گفتار قیمتی ہو گی۔

[40] اقبال، محمد، اسرار خودی (لاہور: ادارہ اقبالیات، ۱۹۳۰)، ص ۱۱۲

شیخ ابو علی دقاق نے اپنے ملفوظات میں فرمایا:

**«سکوت، دوایِ عقل است و پر گویی، بیماریِ عقل. هر که عقلش را دوای خواهد، سکوت پیشه کند و هر که عقلش را بیمار خواهد، بسیار گوید. فکرت در سکوت، غذای عقل است و فکرت در پر گویی، سمّ عقل»**[41]

ترجمہ: "سکوت، عقل کی دوا ہے اور بہت بولنا، عقل کی بیماری۔ جو اپنی عقل کی دوا چاہتا ہے، وہ سکوت اختیار کرے اور جو اپنی عقل کو بیمار کرنا چاہتا ہے، وہ بہت بولے۔ سکوت میں فکر کرنا عقل کی خوراک ہے اور بہت بولنے میں فکر کرنا عقل کا زہر ہے۔"

شیخ ابو علی دقاق نے اس قول میں سکوت کو "دوایِ عقل" (عقل کی دوا) اور پر گوئی (بہت بولنا) کو "بیماریِ عقل" (عقل کی بیماری) قرار دیا ہے۔ پھر فرمایا: "هر که عقلش را دوای خواهد، سکوت پیشه کند" یعنی جو اپنی عقل کی دوا چاہتا ہے (یعنی اسے صحت مند رکھنا اور بڑھانا چاہتا ہے)، وہ سکوت اختیار کرے۔ "و هر که عقلش را بیمار خواهد، بسیار گوید" یعنی جو اپنی عقل کو بیمار کرنا چاہتا ہے، وہ بہت بولے۔ پھر ایک اور بہت اہم نکتہ فرمایا: "فکرت در سکوت، غذای عقل است" یعنی سکوت میں فکر کرنا (غور و خوض کرنا) عقل کی خوراک ہے، کیونکہ یہ عقل کو مضبوط اور طاقتور کرتا ہے۔ "و فکرت در پر گویی، سمّ عقل" یعنی بہت بولنے میں فکر کرنا عقل کا زہر ہے، کیونکہ بہت زیادہ بولنے سے عقل پر بوجھ پڑتا ہے اور وہ کمزور ہو جاتی ہے۔ یہ قول سکوت کو عقل کی صحت اور نشوونما کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے یہی تعلیم دی ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا فکری اور تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ اپنی عقل کو صحت مند اور ترقی یافتہ رکھنا چاہتا ہے، تو اسے سکوت سیکھنا ہوگا۔

**روحانی ارتقاء**

سکوت کا کردار روحانی ترقی میں بنیادی ہے۔ تصوف میں منازل طے کرنے کے لیے سکوت کو پہلی منزل قرار دیا گیا ہے۔ بغیر سکوت کے نہ تو ذکر میں حضوری آتی ہے اور نہ فکر میں گہرائی۔ یہی وجہ ہے کہ تمام صوفیاء نے اپنے مریدین کو سکوت کی تلقین کی۔

شیخ نجیب الدین سہروردی نے آداب المریدین میں فرمایا ہے:

**«سکوت، اوّلین قدم در راه سلوک است و هر که این قدم را محکم نهد، به منازلِ بعدی رسد و هر که ننهد، در همان جا بماند. بی سکوت، سلوک ممکن نیست و بی سلوک، وصول ممکن نیست»**[42]

ترجمہ: "سکوت، سلوک کی راہ میں پہلا قدم ہے اور جو اس قدم کو مضبوط رکھتا ہے، وہ بعد کی منزلوں تک پہنچ جاتا ہے اور جو نہیں رکھتا، وہیں رہ جاتا ہے۔ سکوت کے بغیر سلوک ممکن نہیں اور سلوک کے بغیر وصال ممکن نہیں۔"

شیخ نجیب الدین نے اس قول میں سکوت کو سلوک (روحانی راہ، تصوف کا راستہ) کا "اوّلین قدم" (پہلا قدم) قرار دیا ہے۔ جس طرح کسی بھی راہ میں پہلا قدم سب سے اہم ہوتا ہے، کیونکہ وہی طے کرتا ہے کہ آدمی آگے بڑھے گا یا نہیں، اسی طرح سلوک میں سکوت پہلا قدم ہے۔ "هر که این قدم را محکم نهد، به منازلِ بعدی رسد" یعنی جو اس قدم کو مضبوط رکھتا ہے (یعنی سکوت کو مضبوطی سے تھام لیتا ہے)، وہ بعد کی منزلوں (جیسے ذکر، فکر، معرفت، محبت، فنا، وغیرہ) تک

[41] شیخ ابو علی دقاق، نقل از تذکرۃ الاولیاء، ص ۱۴۸

[42] شیخ نجیب الدین سہروردی، آداب المریدین، ص ۷۲

پہنچ جاتا ہے۔ "وھر کہ ننھد، در ھمان جا بماند "یعنی جو یہ قدم نہیں رکھتا، وہیں (اسی دنیوی اور نفسانی حالت میں) رہ جاتا ہے، آگے نہیں بڑھ سکتا۔ پھر ایک بہت اہم نکتہ فرمایا: "بی سکوت، سلوک ممکن نیست "یعنی سکوت کے بغیر سلوک (روحانی راہ) ممکن نہیں ہے، کیونکہ سلوک کی پہلی شرط ہی سکوت ہے۔ "وبی سلوک، وصول ممکن نیست "یعنی اور سلوک کے بغیر وصال (خدا تک پہنچنا، حقیقت تک رسائی) ممکن نہیں ہے۔ یہ قول سکوت کو پوری روحانی راہ کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے اپنے مریدین کو یہی تعلیم دی ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ واقعی روحانی ترقی چاہتا ہے اور خدا تک پہنچنا چاہتا ہے، تو اسے سکوت سے آغاز کرنا ہوگا۔

شیخ ابو حامد غزالی نے احیاء العلوم میں تحریر کیا ہے:

**«السلوک الی اللہ، یبتدئ بالسکوت ثم بالذکر ثم بالفکر ثم بالمشاھدۃ. فمن ترک السکوت، فاتہ الذکر و من فاتہ الذکر، فاتہ الفکر و من فاتہ الفکر، فاتہ المشاھدۃ»**[43]

ترجمہ: "اللہ کی طرف سلوک (روحانی سفر) کا آغاز سکوت سے ہوت 1 اہے، پھر ذکر سے، پھر فکر سے، پھر مشاہدہ سے۔ جس نے سکوت کو چھوڑ دیا، اس نے ذکر کھو دیا اور جس نے ذکر کھو دیا، اس نے فکر کھو دیا اور جس نے فکر کھو دیا، اس نے مشاہدہ کھو دیا۔"

غزالی نے اس قول میں سلوک کے مراحل کو بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "السلوک الی اللہ، یبتدئ بالسکوت "یعنی اللہ کی طرف سلوک (روحانی سفر) کا آغاز سکوت سے ہوتا ہے۔ پھر "بالذکر "یعنی پھر ذکر (اللہ کی یاد) کا مرحلہ آتا ہے۔ پھر "بالفکر "یعنی پھر فکر (غور و خوض) کا مرحلہ آتا ہے۔ پھر "بالمشاھدۃ" یعنی پھر مشاہدہ (اللہ کا دیدار، روحانی کشف) کا مرحلہ آتا ہے۔ پھر ایک سلسلہ بیان کیا: "فمن ترک السکوت، فاتہ الذکر "یعنی جس نے سکوت کو چھوڑ دیا (یعنی سکوت اختیار نہیں کیا)، اس نے ذکر کھو دیا (کیونکہ ذکر کے لیے سکوت ضروری ہے)۔ "و من فاتہ الذکر، فاتہ الفکر "یعنی جس نے ذکر کھو دیا، اس نے فکر کھو دیا۔ "و من فاتہ الفکر، فاتہ المشاھدۃ "یعنی جس نے فکر کھو دیا، اس نے مشاہدہ کھو دیا۔ یہ قول سکوت کو پوری روحانی ترقی کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ غزالی کے نزدیک سکوت کے بغیر نہ ذکر ممکن ہے، نہ فکر، نہ مشاہدہ۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے یہی تعلیم دی ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا روحانی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ ذکر، فکر، اور مشاہدہ جیسی بلند روحانی منازل تک پہنچنا چاہتا ہے، تو اسے سکوت سے آغاز کرنا ہوگا۔

**اخلاقی تربیت**

سکوت کے ذریعے اخلاقی اصلاح اور کردار سازی ہوتی ہے۔ جب انسان خاموش رہتا ہے تو وہ بہت سے اخلاقی برائیوں سے بچ جاتا ہے۔ غیبت، جھوٹ، چغلی، فخر و تکبر، اور فضول گوئی یہ سب زبان کے گناہ ہیں اور سکوت ان سب سے بچاتا ہے۔

[43] شیخ ابو حامد غزالی، احیاء العلوم، جلد سوم، ص ۶۰

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے:

**«لسانُ العاقلِ وَراءَ قلبِہِ و قلبُ الجاھلِ وَراءَ لسانِہِ. فالعاقل یتفکر ثم یتکلم والجاھل یتکلم ثم یتفکر. وسکوت العاقل، دلیل عقلہ وسکوت الجاھل، دلیل جھلہ»**[44]

ترجمہ: "عاقل کی زبان اس کے دل کے پیچھے ہوتی ہے اور جاہل کا دل اس کی زبان کے پیچھے ہوتا ہے۔ پس عاقل سوچتا ہے پھر بولتا ہے اور جاہل بولتا ہے پھر سوچتا ہے۔ اور عاقل کی خاموشی اس کی عقل کی دلیل ہے اور جاہل کی خاموشی اس کی جہالت کی دلیل۔"

حضرت علیؓ نے اس قول میں عاقل اور جاہل میں فرق بیان کیا ہے۔ "لسانُ العاقلِ وَراءَ قلبِہِ" یعنی عاقل کی زبان اس کے دل کے پیچھے ہوتی ہے، یعنی وہ بولنے سے پہلے دل میں سوچتا ہے، پھر زبان سے ادا کرتا ہے۔ "و قلبُ الجاھلِ وَراءَ لسانِہِ" یعنی جاہل کا دل اس کی زبان کے پیچھے ہوتا ہے، یعنی وہ پہلے بول دیتا ہے پھر سوچتا ہے کہ اس نے کیا کہا۔ پھر فرمایا: "فالعاقل یتفکر ثم یتکلم" پس عاقل سوچتا ہے پھر بولتا ہے۔ "والجاھل یتکلم ثم یتفکر" اور جاہل بولتا ہے پھر سوچتا ہے۔ آخر میں ایک بہت اہم نکتہ فرمایا: "وسکوت العاقل، دلیل عقلہ" یعنی عاقل کی خاموشی اس کی عقل کی دلیل ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کب خاموش رہنا ہے۔ "وسکوت الجاھل، دلیل جھلہ" یعنی جاہل کی خاموشی اس کی جہالت کی دلیل ہے، کیونکہ وہ اس لیے خاموش ہے کہ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں، یا وہ سمجھتا نہیں کہ کیا کہے۔ یہ قول سکوت کو اخلاقی اور فکری پختگی کی علامت قرار دیتا ہے۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے اپنے مریدین کو یہی تعلیم دی ہے کہ سکوت عاقل کی پہچان ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا اخلاقی اور تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ عقل مند وہ ہے جو بولنے سے پہلے سوچے، اور خاموش رہنا بھی ایک عقل مندی ہے۔

شیخ ابو حامد غزالی نے احیاء العلوم میں تحریر کیا ہے:

**«اللسان، سبعٌ عقورٌ وسکوت، حصارٌ منیع. فمن أراد أن یسلم من ھذا السبع، فلیحتم بھذا الحصار. ومن لم یحتم بہ، افترسہ السبع واکل لحمہ وشرب دمہ»**[45]

ترجمہ: "زبان ایک درندہ ہے جو کاٹتا ہے اور سکوت ایک مضبوط قلعہ ہے۔ جو اس درندے سے بچنا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ اس قلعے میں پناہ لے۔ اور جو اس میں پناہ نہیں لیتا، درندہ اسے پھاڑ کھاتا ہے، اس کا گوشت کھاتا ہے اور اس کا خون پیتا ہے۔"

غزالی نے اس قول میں زبان کو "سبعٌ عقور" (ایک درندہ جو کاٹتا ہے) سے تشبیہ دی ہے۔ جس طرح درندہ انسان کو جسمانی طور پر زخمی کر سکتا ہے اور مار بھی سکتا ہے، اسی طرح زبان انسان کو روحانی اور اخلاقی طور پر زخمی کر سکتی ہے اور اسے ہلاک بھی کر سکتی ہے۔ اور سکوت کو انہوں نے "حصارٌ منیع" (ایک مضبوط اور ناقابلِ تسخیر قلعہ) قرار دیا ہے۔ جس طرح قلعہ درندوں سے بچاتا ہے، اسی طرح سکوت زبان کی برائیوں سے بچاتا ہے۔ پھر فرمایا: "فمن أراد أن یسلم من ھذا السبع، فلیحتم بھذا الحصار" یعنی جو اس درندے (زبان) سے بچنا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ اس قلعے (سکوت) میں پناہ لے۔ "ومن لم یحتم بہ، افترسہ السبع" یعنی اور جو اس میں پناہ نہیں لیتا، درندہ اسے پھاڑ کھاتا ہے۔ "واکل لحمہ وشرب دمہ" یعنی اس کا گوشت کھاتا ہے اور اس کا خون پیتا ہے (یعنی اسے مکمل طور پر تباہ کر دیتا ہے)۔ یہ ایک بہت مؤثر اور خوفناک استعارہ ہے۔ غزالی نے یہاں سکوت کو اخلاقی طور پر بچنے کا واحد ذریعہ قرار دیا ہے۔ فوائد الفواد میں بھی حضرت نظام الدینؒ نے زبان کو اسی

---

[44] علی بن ابی طالب، نہج البلاغہ، حکمت نمبر ۲۱۵ (تصحیح صبحی صالح، قم: ہجرت، ۱۴۱۴ھ)

[45] شیخ ابو حامد غزالی، احیاء العلوم، جلد سوم، ص ۶۲

طرح ایک خطرناک چیز قرار دیا ہے۔ قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا اخلاقی اور تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ سکوت اس کی اخلاقی حفاظت کا واحد مضبوط ذریعہ ہے، اور اس کے بغیر وہ زبان کے درندے کے ہاتھوں تباہ ہو جائے گا۔

**مجموعی اثرات**

سکوت کے مجموعی فکری، روحانی اور تربیتی اثرات بے شمار ہیں۔ یہ انسان کو فکری پختگی عطا کرتا ہے، روحانی ارتقا کی راہ دکھاتا ہے، اخلاقی برائیوں سے بچاتا ہے، اور اسے اللہ تعالیٰ کا قرب بخش دیتا ہے۔ فوائد الفواد میں سکوت کو اسی جامع اثر کی وجہ سے اتنی اہمیت دی گئی ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا:

**«سکوت، کلید همهٔ خوبی‌هاست و درِ همهٔ بدی‌ها را می‌بندد. هر که سکوت را دستگیر خود کند، خداوند او را از همهٔ آفات نگه دارد و به همهٔ خوبی‌ها رساند. سکوت، درِ معرفت را گشاید و درِ غفلت را ببندد. سکوت، دل را نورانی کند و جان را صفا دهد»**[46]

ترجمہ: "سکوت تمام خوبیوں کی کنجی ہے اور تمام برائیوں کے دروازے بند کر دیتا ہے۔ جو سکوت کو اپنا ہاتھ پکڑنے والا بنا لیتا ہے، خدا اسے تمام آفات سے بچاتا ہے اور تمام خوبیوں تک پہنچا دیتا ہے۔ سکوت، معرفت کا دروازہ کھول دیتا ہے اور غفلت کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔ سکوت، دل کو نورانی کرتا ہے اور جان کو صفائی دیتا ہے۔"

یہ حضرت نظام الدینؒ کا وہ قول ہے جو اس پوری فصل کا خلاصہ ہے۔ انہوں نے سکوت کو "کلید همهٔ خوبی‌هاست" یعنی تمام خوبیوں کی کنجی قرار دیا ہے۔ جس طرح بغیر کنجی کے خزانہ نہیں کھلتا، اسی طرح بغیر سکوت کے خوبیوں کے دروازے نہیں کھلتے۔ "و درِ همهٔ بدی‌ها را می‌بندد" یعنی اور تمام برائیوں کے دروازے بند کر دیتا ہے، کیونکہ سکوت میں انسان برائیاں نہیں کر سکتا۔ پھر فرمایا: "هر که سکوت را دستگیر خود کند" یعنی جو سکوت کو اپنا "دستگیر" (ہاتھ پکڑنے والا، مددگار، رفیق) بنا لیتا ہے "خداوند او را از همهٔ آفات نگه دارد" یعنی خدا اسے تمام آفات (مصائب، گناہوں، روحانی خطرات) سے بچاتا ہے "و به همهٔ خوبی‌ها رساند" یعنی اور اسے تمام خوبیوں تک پہنچا دیتا ہے۔ پھر مزید فرمایا: "سکوت، درِ معرفت را گشاید" یعنی سکوت معرفت (خدا کی پہچان) کا دروازہ کھول دیتا ہے "و درِ غفلت را ببندد" یعنی اور غفلت (اللہ سے بے خبری) کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔ "سکوت، دل را نورانی کند" یعنی سکوت دل کو نورانی (روشن، منور) کرتا ہے "و جان را صفا دهد" یعنی اور جان کو صفائی (پاکیزگی) دیتا ہے۔ یہ قول سکوت کے تمام اثرات کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ یہی وہ جامع اثر ہے جس کی وجہ سے صوفیاء نے سکوت کو اتنی اہمیت دی اور فوائد الفواد میں اسے بار بار موضوعِ گفتگو بنایا۔

قاری کے لیے اس قول کا سب سے بڑا فکری، روحانی، اخلاقی اور تربیتی اثر یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ سکوت کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ یہ تمام خوبیوں کی کنجی اور تمام برائیوں کا تالا ہے۔ اگر وہ سکوت کو اپنا دستگیر بنا لے تو خدا اسے ہر آفت سے بچائے گا اور ہر خوبی تک پہنچا دے گا۔ یہ سکوت کی تعلیمات کا نچوڑ ہے، اور فوائد الفواد کا پیغام ہے۔

[46] نظام الدین اولیاء، فوائد الفواد، مجلس ۴۷، ص ۲۸۹

**خلاصہ بحث**

اس مضمون کے تفصیلی مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ سکوت کے عملی مظاہر اور تربیتی اثرات فوائد الفواد میں ایک مکمل اور مربوط نظام کی صورت میں پیش کیے گئے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ سکوت کے عملی مظاہر کی بنیادوں میں "توقف" (جلد بازی سے گریز) اور "اجمال" (مختصر اور جامع اظہار) شامل ہیں۔ توقف کو صوفیاء نے حکمت، عقل اور انبیاء کی سنت قرار دیا ہے، جبکہ اجمال کو عقل کی دلیل اور انبیاء کا کردار بتایا گیا ہے۔ نیز، خاموشی کی دو قسموں (ظاہری اور باطنی) میں باطنی خاموشی کو اعلیٰ اور حقیقی سکوت قرار دیا گیا ہے۔

سکوت اور روحانی تربیت کے تعلق میں ہم نے دیکھا کہ سکوت نفس کی اصلاح کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے، کیونکہ یہ نفس کو قید کرتا ہے اور اسے کمزور کرتا ہے۔ یہ دل کی بیداری کا ذریعہ ہے، کیونکہ جب زبان خاموش ہوتی ہے تو دل بیدار ہوتا ہے۔ یہ حضور قلب کا ذریعہ ہے، کیونکہ سکوت کے بغیر حضور قلب ممکن نہیں۔ اور اس کے مجموعی روحانی اثرات میں دل کی صفائی، سعادت کی کنجی، اور عارفین کی سواری شامل ہیں۔ سکوت اور ابلاغ کے اسلوب کے بارے میں ہم نے دیکھا کہ سکوت خود ایک طاقتور ذریعہ ابلاغ ہے، جو بعض اوقات الفاظ سے بھی زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔ صوفیاء نے سوال و جواب میں سکوت کو ایک خاص مقام دیا، اور بعض سوالات کا جواب سکوت کو قرار دیا۔ سکوت معنی کی گہرائی کو بڑھاتا ہے، اور مختصر بات جو سکوت کے ساتھ ہو اس میں وہ گہرائی ہوتی ہے جو لمبی بات میں نہیں۔ نیز، سکوت کا مخاطب پر گہرا اثر ہوتا ہے، اور سننے والے کی خاموشی سمجھ اور ادب کی علامت ہے۔

آخر میں، سکوت کے تربیتی و فکری نتائج میں ہم نے دیکھا کہ سکوت فکری پختگی کا ذریعہ ہے، کیونکہ یہ فکر کو پختگی اور گہرائی بخشتا ہے۔ یہ روحانی ارتقاء کا پہلا قدم ہے، اور اس کے بغیر سلوک اور وصال ممکن نہیں۔ یہ اخلاقی تربیت کا ذریعہ ہے، کیونکہ یہ زبان کے درندے سے بچاتا ہے۔ اور اس کے مجموعی اثرات میں یہ تمام خوبیوں کی کنجی اور تمام برائیوں کا تالا ہے۔ یہ تحقیق اس اہم نتیجے پر ختم ہوتی ہے کہ فوائد الفواد میں پیش کردہ سکوت کا نظام نہ صرف نظریاتی طور پر گہرا ہے بلکہ عملی طور پر بھی قابل عمل ہے۔ یہ نظام انسان کو فکری، روحانی اور اخلاقی طور پر ترقی دیتا ہے، اور اسے اس کے خالق کا قریب کر دیتا ہے۔ سکوت کی یہ تعلیمات آج کے اس دور میں جہاں لوگ شور شرابے اور فضول گوئی میں ڈوبے ہوئے ہیں، ایک قیمتی تحفہ ہیں۔

**مصادر و مراجع**

شیخ ابو سعید ابی الخیر، اسرار التوحید، تصحیح محمد رضا شفیعی کدکنی (تہران: سخن، ۱۳۸۶ش)۔

اقبال، محمد، اسرار خودی (لاہور: ادارہ اقبالیات، ۱۹۳۰)۔

اقبال، محمد، بال جبریل (لاہور: ادارہ اقبالیات، ۱۹۳۵)۔

امیر حسن علاء سجزی، فوائد الفواد، مقدمہ (نول کشور: مطبع نول کشور، ۱۳۰۲ھ)۔

حافظ شیرازی، دیوان حافظ، بہ کوشش محمد قزوینی و قاسم غنی (تہران: زوار، ۱۳۲۰ش)، غزل نمبر ۱۸۹۔

خواجہ عبداللہ انصاری، مناجات نامہ، تصحیح محمد رضا شفیعی کدکنی (تہران: سخن، ۱۳۸۸ش)، مناجات پانزدھم۔

خواجہ عبداللہ انصاری، کشف الاسرار، جلد اول (تہران: انتشارات علمی و فرهنگی، ۱۳۷۵ش)۔

شیخ سعدی شیرازی، گلستان، تصحیح محمد علی فروغی (تہران: امیر کبیر، ۱۳۶۴ش)، باب اول، حکایت نمبر ۱۰۔

شیخ ابو حامد غزالی، احیاء العلوم، ترجمہ مؤید الدین خوارزمی (تہران: علمی و فرھنگی، ۱۳۸۴ش)، جلد سوم۔

شیخ ابو علی دقاق، نقل از تذکرۃ الاولیاء، تصحیح محمد استعلامی (تہران: زوار، ۱۳۸۵ش)۔

شیخ ابوالحسن خرقانی، نور العلوم، تصحیح محمد رضا شفیعی کدکنی (تہران: طہوری، ۱۳۷۴ش)۔

شیخ ابوالقاسم قشیری، رسالہ قشیریہ، ترجمہ ابو علی حسن بن احمد عثمانی (تہران: علمی و فرھنگی، ۱۳۷۴ش)۔

شیخ روزبان بقلی، شرح شطیات، تصحیح ہنری کوربن (تہران: طہوری، ۱۳۶۰ش)۔

شیخ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، ترجمہ محمود بن عثمان (تہران: اساطیر، ۱۳۸۱ش)۔

شیخ نجیب الدین سہروردی، آداب المریدین، تصحیح نجیب مایل ہروی (تہران: مولی، ۱۳۶۵ش)۔

علی بن ابی طالب، نہج البلاغہ، حکمت نمبر ۲۱۵ (تصحیح صبحی صالح، قم: ہجرت، ۱۴۱۴ھ)۔

مولانا جلال الدین روم، مثنوی معنوی، دفتر سوم، تصحیح رینولد نکلسن (تہران: نشر علم، ۱۳۸۴ش)، بیت ۴۵۶۔